اِصلاحی
خُطبات

جلد ۱۹

- توہین رسالت اسباب اور سدّ باب
- قرآن کریم کی تعلیم عظیم خدمت ہے
- موسیقی اور ٹی وی چینلز کا فساد
- دین کی دعوت دینے کا طریقہ
- ماحولیاتی آلودگی اور اس کے اسباب
- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ تعلیم
- دینی مدارس کیا ہیں؟
- زبان اور رنگ و نسل کی بنیاد پر کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں
- مسلمانانِ عالم کی پستی کے دو سبب
- دار العلوم دیو بند میں شیخ الاسلام مدظلہم کا اہم خطاب
- طلباء دورۂ حدیث سے الوداعی نصیحتیں
- اپنی غلطی کا اعتراف کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

اِصلاحی خُطبات

جلد/ 19

شیخ الاسلام حضرت مولانا مُفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب

مفتی محمد عبداللہ میمن

استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز

لیاقت آباد نمبر ا۔ کراچی ۱۹

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی۔
تاریخ اشاعت	:	2015ء
باہتمام	:	محمد مشہود الحق کلیانوی : 0313-9205497
کمپوزنگ	:	خلیل اللہ
ناشر	:	میمن اسلامک پبلشرز
جلد	:	**19**
قیمت	:	/= روپے

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، کراچی۔ 0313-920 54 97:
- مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴۔
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور۔
- دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی۔
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔
- مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔
- کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر، اُردو بازار، کراچی۔
- مکتبۃ العلوم، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔
- مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی۔

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات جلد نمبر : 19

فہرستِ مضامین

(تفصیلی فہرست)

عنوان	صفحہ نمبر
انعام کی رات	36
محنت کا صلہ	37
اللہ تعالیٰ گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں	37
عمل میں کوتاہی بھی نیکی سے بدل دی جائے گی	38
اپنے صاف ستھرے وجود پر گناہوں کا داغ نہ لگنے دیں	39
''عید'' کا دن زندگی کے ایک نئے موڑ کا دن	39
امت مسلمہ سازشوں کے جال میں پھنسی ہوئی ہے	40
کافروں کا مثلہ بھی حرام ہے	41
مسلمان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے	41
کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں	42
عید الاضحیٰ کا خطبہ	44
رنگ و نسل کے فتنے سے بچیں	45
ایک مسلمان کی جان کی حرمت بیت اللہ کی حرمت سے بھی زیادہ ہے	45
ہر مسلمان بیت اللہ کا محافظ ہے	46
دردمندانہ نصیحت	47
ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے	47
ایک نئی زندگی کا آغاز کیجئے	48
امن وامان کی فضا پیدا کیجئے	49

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

توہین رسالت

اسباب اور سدباب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب
محمد انور حسین

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامعہ دارالعلوم کراچی

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توہینِ رسالت

اسباب اور سدِّ باب

مغربی ممالک کی طرف سے توہینِ رسالت کا ناپاک سلسلہ ۲۰۰۶ء سے شروع ہوا تھا، جب سے اب تک یہ مکروہ سلسلہ وقفے وقفے سے جاری ہے، اس موضوع پر جن حضرات کو حق تعالیٰ نے قابلِ قدر خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائی ان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا نام نامی سرِفہرست ہے، حضرت والا مدظلہم کے تحریری و تقریری ارشادات کا خلاصہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے فاضل مولانا محمد انور حسین صاحب نے مرتب کیا ہے۔ جو ہدیۂ قارئین ہے۔ بشکریہ البلاغ، ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ..................(میمن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

مذاکرہ کی غرض و غایت

حضرات علمائے کرام اور قابلِ احترام سامعین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و

برکاتہ۔ سید الاولین والآخرین سرکارِ دو عالم رسالت مآب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کے سلسلے میں مسلمانوں پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان پر غور وفکر کرنے اور ان کے مطابق اپنا لائحہ عمل طے کرنے کے لئے آج یہ مبارک مذاکرہ منعقد ہوا ہے۔

حالات کا پس منظر

حالات کے جس پس منظر میں یہ مبارک مناظرہ منعقد ہوا ہے، اس سے ہر مسلمان واقف ہے، اور اس وقت پورے عالم اسلام میں مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک پوری مسلم دنیا میں ان دریدہ دہن اور بد باطن افراد کی حرکت کے خلاف اضطراب، غم وغصہ اور احتجاج کی ایک لہر دوڑی ہوئی ہے، جنہوں نے محسن انسانیت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر کے اپنی بد باطنی کا ثبوت دیا ہے۔

عذرِ گناہ بدتر از گناہ

افسوس ناک بات یہ ہے کہ اپنی اس شرمناک حرکت پر کسی ندامت کا اظہار کرنے کے بجائے اور اس پر معافی مانگنے کے بجائے اپنی اس حرکت کے جواز میں مختلف حیلے بہانے تراشے جا رہے ہیں، کہا جا رہا ہے کہ ان بد باطن افراد کے خلاف کوئی کارروائی آزادئ اظہار رائے کے اصولوں کے خلاف ہے۔

اہل مغرب کی مکاری

اہل مغرب کا ایک عرصہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ انہوں نے کچھ خوبصورت الفاظ گھڑ لئے ہیں، اور ان کو اپنی زندگی کا محور قرار دے کر دنیا بھر میں اپنی معصومیت کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں، یہ الفاظ ایسے ڈھیلے ڈھالے ہیں کہ ان الفاظ میں وہ جس معنی کو چاہیں داخل کر دیں، اور جس معنی کو چاہیں نکال دیں۔ جمہوریت، انسانی حقوق اور پرامن بقائے باہمی، یہ سارے ایسے الفاظ ہیں جن کا دن رات راگ الاپا جاتا ہے، لیکن اگر ان کی تہہ میں عملی کارروائیوں کو دیکھا جائے تو سوائے اس کے اس کا کوئی مطلب نہیں نکلتا کہ ان الفاظ سے جب تک ان کے سیاسی اور ذاتی مفادات کو برتری وتقدم حاصل ہو، اس وقت تک تو ان کا تحفظ واحترام لازمی ہے، لیکن جب انہی الفاظ سے ان کا کوئی ذاتی مفاد ٹکرا جائے تو نہ آزادئ اظہاری رائے باقی رہتی ہے، نہ انسانی حقوق اور نہ پرامن بقائے باہمی۔

آزادئ اظہار رائے کا مقصد

ہم جانتے ہیں کہ مغرب نے یہ خوبصورت الفاظ دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے گھڑے ہوئے ہیں، یہ آزادئ اظہار رائے جس کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے، اور جس کے پردے میں وہ شرمناک گستاخی کی جا رہی ہے، جسکے مقابل اس روئے زمین پر کسی اور گستاخی کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اس آزادئ اظہار رائے کا حال یہ ہے کہ یورپ اور دیگر متعدد ممالک میں یہ قانون نافذ ہے کہ یہودیوں کے ''ہولوکاسٹ'' کے خلاف اگر کوئی تاریخی تحقیق بھی کرنا چاہے تو اسے اس کی اجازت نہیں ہے، اور

قانون اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ ان حالات کی کھوج کرید میں پڑے کہ یہودیوں کو جرمنی سے جب نکالا گیا تھا تو کتنے افراد واقعۃً قتل ہوئے تھے، اور کتنے قتل نہیں ہوئے تھے، اگر کوئی شخص علمی بنیاد پر یہ تاریخ تحقیق کرنا چاہے تو یہ قانوناً جرم ہے، پھر بھی یہی کہا جاتا ہے کہ ہر کسی کو اظہار رائے کی آزادی ہے۔

درس عبرت

مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ آج سے چند سال پہلے جب پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا، تو ان کی طرف سے پوری مغربی دنیا میں یہ فریاد کی جارہی تھی کہ ہم پر ظلم ہو رہا ہے، پاکستان میں آزادی اظہار رائے پر پابندی عائد کی جارہی ہے، ان ہی دنوں میں ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ مغرب کے وقت گھر کی گھنٹی بجی، باہر نکل کر دیکھا تو ہمارے پاکستان کے وزارت خارجہ کے ایک ذمہ دار افسر پیرس سے ایمنسٹی انٹرنیشنل کے ڈائریکٹر کو لے کر تشریف لائے ہیں اور عجیب بات یہ تھی کسی سابقہ اجازت کے بغیر یہ حضرات تشریف لائے، اور مجھ سے کہا کہ ہم آپ کا انٹرویو لینا چاہتے ہیں، میں نے پوچھا کہ کس موضوع پر آپ انٹرویو لینا چاہتے ہیں؟ کہنے لگے کہ مجھے پیرس سے اس مشن پر بھیجا گیا ہے کہ میں جنوبی ایشیا کے لوگوں کا سروے کروں کہ ان کے ذہنوں میں آزادیٔ اظہار رائے کا کیا تصور ہے؟ اور آزادیٔ اظہار رائے کے بارے میں وہ کیا موقف رکھتے ہیں؟ انہوں نے پہلے مجھ سے معذرت کی کہ ہم آپ سے Appointment لئے بغیر آگئے، مجھے یہ اندازہ ہوا کہ وہ بہت مختصر وقت کے لئے آئے ہیں، اسی لئے وہ پہلے

سے Appointment بھی نہیں لے سکے، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کب تشریف لائے؟ کہنے لگے میں کل کراچی پہنچا ہوں، پھر میں نے پوچھا کہ اب آگے آپ کا کیا پروگرام ہے؟ تو کہنے لگے کہ کل مجھے اسلام آباد جانا ہے، اور دو دن وہاں رہ کے پھر میں نئی دہلی جاؤں گا، وہاں سے کوالالمپور جانا ہے۔

میں نے پوچھا کل کتنے دنوں کا دورہ ہے؟ کہنے لگے کہ ایک ہفتہ میں یہ دورہ مکمل ہو جائے گا، میں نے کہا کہ کراچی میں جو آپ کل سے اب تک رہے، تو ذرا یہ فرمایئے کہ کتنے لوگوں کا انٹرویو آپ نے لیا؟ کہنے لگے کہ پانچ آدمیوں کا انٹرویو لے چکا ہوں، چھٹے آپ ہیں، میں نے کہا کہ ان چھ آدمیوں کا انٹرویوں لے کر آپ نے پورے کراچی کا سروے مکمل کر لیا، اور کل جو آپ اسلام آباد جا رہے ہیں تو ایک دن یا دو دن رہ کر پانچ چھ آدمیوں کا انٹرویو لے کر وہاں کا سروے مکمل کر لیں گے، اور اس کے بعد پھر دہلی اور کوالالمپور جائیں گے، اور ایک ہفتے کے اندر یہ سروے مکمل کر کے آپ اپنی رپورٹ Submit کر دیں گے، تو یہ فرمایئے کہ یہ سروے کیا واقعی کوئی سنجیدہ سروے ہے جو اتنی مختصر مدت میں کیا جا رہا ہے؟

کہنے لگے کہ میں مجبور ہوں، مجھے اتنا ہی وقت دیا گیا ہے، اور وقت کی کمی کے باعث میں اس سے زیادہ لوگوں سے ملاقات نہیں کر سکتا، اس لئے انہی افراد سے انٹرویو کر کے میں اپنا سروے مکمل کر دوں گا، میں نے کہا کہ اگر آپ کے پاس اتنا ہی کم وقت تھا کہ آپ پانچ چھ افراد سے زیادہ کسی سے ملاقات نہیں کر سکتے تھے، تو آپ کو کس نے مشورہ دیا تھا کہ سروے کریں، اگر سروے کرنا ہی تھا تو اس کے

لئے وقت نکالتے، لیکن اگر آپ تھوڑے سے وقت میں چند افراد کی بات سن کر پورے جنوبی ایشیا کی طرف ایک نقطۂ نظر منسوب کرنے والے ہیں تو معاف کیجئے اس غیر سنجیدہ سروے میں، میں پارٹی بننے کو تیار نہیں، لہٰذا میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ آپ میرے مہمان ہیں، بیشک چائے پیجئے، میں آپ کی خاطر تواضع کروں گا، لیکن جہاں تک انٹرویو کا تعلق ہے تو میں آپ کو کوئی انٹرویو نہیں دوں گا۔

ہمارے ملک کی وزارت خارجہ کے افسر جو ان کے ساتھ تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ جناب دیکھئے یہ صاحب بہت دور سے آئے ہیں، کم از کم کچھ تو آپ ان کی رعایت کر لیجئے، میں نے کہا کہ مہمان کی حیثیت سے رعایت یہ ہے کہ میرے پاس چائے پئیں، لیکن جہاں تک معاملے کی بات ہے تو میں ایسے غیر سنجیدہ سروے میں حصہ لینے کو تیار نہیں ہوں، جس کا مقصد دنیا کو دھوکہ دینا ہو، جنوبی ایشیا کے چند افراد کا انٹرویو کر کے سارے جنوبی ایشیا کے سر پر ایک مؤقف تھوپ دینا ہو، یہ بالکل غلط طرز عمل ہے، آپ مجھے بتائیں کہ کیا میری بات غلط ہے؟ مجھے سمجھا دیں کہ اتنے دنوں میں سروے ہو سکتا ہے؟ ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا، اس لئے انہوں نے کہا کہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے، لیکن میں آپ سے محض التماس کرتا ہوں کہ میں بہت دور سے آیا ہوں، کچھ تو میری باتوں کا جواب دیدیں، میں نے کہا کہ میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا، چونکہ ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، اس لئے آخر کار وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

آزادی اظہار رائے کیا ایبسلوٹ ہے؟

پھر میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک سوال آپ سے کرلوں؟ وہ کہنے لگے کہ میں آپ سے سوال کرنے آیا تھا، آپ الٹا مجھ سے سوال کرنے لگے، میں نے کہا کہ میں تو آپ سے اجازت مانگ رہا ہوں، اگر آپ اجازت دیں گے تو سوال کروں گا اور اگر اجازت نہیں دیں گے تو سوال نہیں کروں گا، انہوں نے کہا: اچھا کہئے۔

میں نے کہا کہ میرا سوال یہ ہے کہ آپ آزادیٔ اظہار رائے کے بارے میں ایک تحقیق کرنے نکلے ہیں، اور آپ کے ادارے نے اس آزادیٔ اظہار رائے کو اپنا Moto بنایا ہوا ہے، آپ یہ بتایئے کہ آپ کے خیال میں آزادیٔ اظہار رائے بالکل ایبسلوٹ (Absolute) ہے، اس کے اوپر کوئی شرط، کوئی قید، کوئی پابندی نہیں؟ یا یہ کہ اسکے اوپر کوئی شرط اور پابندی عائد ہوتی ہے؟ کہنے لگے کہ میں مطلب نہیں سمجھا۔

میں نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص یہ کہے کہ جتنے بڑے بڑے سرمایہ دار ہیں، ان سب نے قوم کی دولت کو لوٹا ہے، لہٰذا میں لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ ان سرمایہ داروں کی تجوریوں پر، ان کے خزانوں پر، ان کے بینک بیلنس پر ڈاکے ڈالیں، اور پیسے اکٹھے کر کے غریبوں کی مدد کریں، تو بتایئے کہ کیا اس بات کی آپ اجازت دینگے؟ آپ اس ایکسپریشن (Expression) کی فریڈم (Freedom) کے بھی قائل ہیں کہ اس کی بھی آزادی ملنی چاہیے کہ لوگ ڈاکے ڈالنے کی دعوت دیدیں، جب کہ مقصد ان کا نیک ہو کہ غریبوں کی امداد کی جائے؟ کہنے لگے نہیں،

اس کی اجازت نہیں ہوسکتی، میں نے کہا کہ اگر اس کی اجازت نہیں ہوسکتی تو مطلب یہ ہے کہ فریڈم آف ایکسپریشن (Freedom of expression) یہ بالکل ایبسلوٹ (Absolute) چیز نہیں ہے، مطلق چیز نہیں ہے کہ اس کے اوپر کوئی پابندی عائد نہ ہو، کہنے لگے ہاں کچھ نہ کچھ تو پابندیاں عائد ہوں گی۔

میں نے کہا کہ بتایئے وہ پابندیاں کیا ہیں؟ اور کون مقرر کرے گا؟ کس کے پاس یہ اتھارٹی (Authority) ہے کہ وہ یہ پابندیاں عائد کرے کہ فریڈم آف ایکسپریشن (Freedom of expression) پر یہ پابندی ہونی چاہیے، اور یہ پابندی نہیں ہونی چاہیے؟ اگر آپ کے ادارے نے اس کے بارے میں کوئی تحقیق کی ہو تو براہ کرم مجھے اس سے مطلع فرمائیں، کہنے لگے کہ اس سے پہلے ہم نے اس موضوع پر سوچا نہیں ہے، اور اگر ہمارے ادارے میں اس پر کوئی کام ہوا ہوگا تو ہم آپ کو اس سے مطلع کریں گے، میں نے کہا کہ آپ ضرور مطلع کریں، لیکن میں آپ سے یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ اس سوال کا جواب زندگی بھر نہیں دے سکتے کہ آخر آزادیٔ اظہار رائے پر پابندی کس قسم کی ہوسکتی ہے، اور کون سی اتھارٹی ہے جو یہ طے کرے کہ کون سی پابندی معقول اور جائز ہے، اور کون سے پابندی ناجائز ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ آج انسانوں کا ایک گروہ یہ کہے گا کہ فلاں پابندی ہونی چاہیے، اور دوسرا گروہ کہے گا کہ فلاں پابندی ہونی چاہیے، اور متفقہ بنیاد انسانوں کے درمیان فراہم ہونا تقریباً ناممکن ہے۔

اس کا تو ایک ہی راستہ ہے، وہ یہ ہے کہ جس ذات نے اظہار رائے کی

طاقت انسان کی زبان کو اور قلم کو عطا کی ہے، اسی ذات سے پوچھا جائے کہ کون سی آزادی اے اللہ! تیرے نزدیک جائز ہے، اور کون سی آزادیٔ اظہار رائے تیرے نزدیک ناجائز ہے، جب تک اللہ جل جلالہ کے آگے سر نہیں جھکایا جائے گا، اور اللہ جل جلالہ کے پیغمبر جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں سر نہیں رکھا جائے گا، تو کوئی بھی شخص اس کا معیار اور اس کی کوئی بنیاد فراہم نہیں کر سکتا، چنانچہ آج اس واقعے کو کئی سال گزر گئے ہیں، وہ دن ہے اور آج کا دن ہے، آج تک پلٹ کر انہوں نے اس سوال کا جواب دینے کی یا اس کے بارے میں کوئی وضاحت کرنے کی زحمت نہیں اٹھائی، اس لئے کہ ان کے پاس کوئی جواب تھا ہی نہیں۔ بہرحال! یہ سارے الفاظ یعنی آزادیٔ اظہار رائے، پرامن بقائے باہمی اور انسانی حقوق وغیرہ یہ اس وقت تک ہیں، جب تک یہ الفاظ ان کے اپنے مفادات کو سرو کر رہے ہوں۔

وہی انسانی حقوق کے علم بردار جب افغانستان اور عراق پر بمباری کرتے ہیں، بے گناہ بچوں اور عورتوں کو شہید کرتے ہیں، تو اس وقت کوئی انسانی حقوق کی بات ان کے دماغ میں نہیں آتی، اور وہی لوگ جو آزادیٔ اظہار رائے اور انسان کی آزادی کے قائل تھے آج یہ قانون بنا رہے ہیں کہ جس پر چاہو حملہ کر دو، جب چاہو حملہ کر دو، جس سرحد کو چاہو پار کر لو، ان الفاظوں کے ذریعے آخر کب تک انسانیت کو دھوکا دیا جائے گا۔

نبی کریم سرور دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر وتعظیم تو یہ ہے کہ

دریدہ دہن ہزار بدزبانیاں کیا کریں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وجلال میں ان کی بد باطنی سے ایک حبہ برابر کوئی کمی نہیں آتی، جب تک اس کائنات کے اوپر اللہ جل جلالہ کی حکمرانی قائم ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت وتقدیس کے گیت گائے جاتے رہیں گے، اللہ جل جلالہ نے خود قرآن کریم میں فرمادیا ہے :

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ (الحجر: ۹۵)

''جولوگ تمہارا مذاق اڑارہے ہیں ہم تمہارے لئے ان کی سازشوں کے خلاف کافی ہیں''

قرآن کریم نے خود فرمایا :

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الم نشرح: ٤)

''ہم نے آپ کے تذکرے کو بلند مقام عطا کیا ہے''

لہٰذا یہ ہزار بد باطنیاں کیا کریں، لیکن سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا۔

مسلمانوں کی ذمہ داری

ہاں! ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہمارا فرض ہے کہ جب کبھی ایسی گستاخی کی جائے تو اس پر مسلمان اپنے ردعمل کا اظہار کریں، اور اس کا اصل ردعمل تو وہ ہے جو ہماری تاریخ میں غازی علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کر کے دکھایا، اور ہماری تاریخ غازی علم دین شہید جیسے لوگوں سے بھری ہوئی ہے، لیکن ہم یہاں دور بیٹھ کر کیا کر سکتے ہیں، اس کے بارے میں الحمد للہ اس مذاکرے کے اندر بہت سی تجاویز

آپ حضرات کے سامنے آئی ہیں، ہمیں قومی سطح پر بھی اور بین الاقوامی سطح پر بھی اس بد باطنی کے خلاف احتجاج کو قوت کے ساتھ جاری رکھنا ہے، اور یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ یہ مغربی طاقتیں۔ ٹھیٹھ لفظوں میں اگر میں لفظ استعمال کروں۔ تو ہماری اردو زبان کا محاورہ ہے کہ ''یہ لوگ جوتے کے آشنا ہیں'' یعنی ان کے اوپر دباؤ ڈالنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں، اور جس دن ان کو اپنی تجارت میں خسارہ نظر آئے گا اس دن ان کے آزادئ اظہار رائے کے سارے خواب بکھر جائیں گے۔

اس لئے مسلمانوں سے ہمیں اس مذاکرے کے ذریعے یہ اپیل کرنی چاہیے کہ حکومت بائیکاٹ کرے یا نہ کرے، لیکن مسلمان اس بات کا تہیہ اور عہد کریں کہ جن ملکوں میں یہ گستاخی کی گئی ہے، ان ممالک کی مصنوعات کی خرید وفروخت ہم بند کر دیں، جو امپورٹر ہیں وہ امپورٹ کرنا بند کر دیں، جو تاجر ہیں، وہ ان کی مصنوعات کو فروخت کرنا بند کر دیں، اور جو صارفین ہیں وہ ان کو خریدنا بند کر دیں۔

جس وقت یہ مسئلہ پاکستان میں اتنی شدت سے نہیں اٹھا تھا، لیکن بہت سے عرب ممالک میں اٹھ چکا تھا، میں اس وقت سعودی عرب میں تھا، اور یہ منظر میری آنکھوں نے دیکھا کہ حکومت کی طرف سے کوئی باضابطہ اعلان نہیں ہوا تھا کہ عوام ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں، لیکن وہاں کی بڑی بڑی سپر مارکیٹوں نے اپنے ہاں یہ بورڈ لگائے ہوئے تھے کہ ہمارے ہاں کوئی شخص ڈنمارک کی کوئی چیز خریدنے کے لئے نہ آئے اور صرف یہ ہی نہیں کہ جتنا اسٹاک پہلے سے موجود ہے

پہلے وہ بیچ دیں، اور اس کے بعد پھر بائیکاٹ کریں، بلکہ ان کی الماریوں کے شیلف خالی پڑے ہوئے تھے، وہاں پر لکھا ہوا تھا کہ ڈنمارک کی مصنوعات اس جگہ ہوا کرتی تھیں، ہم نے سب نکال کر باہر پھینک دی ہیں، عوام نے یہ سلسلہ شروع کیا، اور جب اس معمولی پیمانے پر چند ملکوں میں یہ کام ہوا تو آپ نے دیکھا کہ کچھ نہ کچھ حرکت شروع ہوگئی، اور یہ کہا گیا کہ ہماری مصنوعات کا بائیکاٹ ہو رہا ہے ہمیں نقصان پہنچ رہا ہے۔

نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہماری محبت کا سب سے پہلا اور ادنیٰ ثبوت کم از کم یہ تو ہو کہ اگر ہم پہلے ڈنمارک کا مکھن کھایا کرتے تھے تو وہ کھانا بند کر دیں، کیا ہمیں وہ مکھن زیادہ عزیز ہے یا جناب نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت زیادہ عزیز ہے؟ اگر ہم ان کی دیگر مصنوعات استعمال کیا کرتے تھے تو ان کا استعمال بند کر دیں، اور دوسرے لوگوں کو بھی اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ ان مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کریں۔

بین الاقوامی سطح پر حکومت کا یہ فریضہ ہے اور صدر مملکت سے ہماری جو ملاقات ہوئی، اس میں بھی ہم نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایک ایسا بین الاقوامی قانون منظور کرانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

الحمد للہ! مسلمانوں کے نزدیک نہ صرف سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم، بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام برابر ہیں۔ یہ قرآن کریم کا اعلان ہے :

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرة: ٢٨٥)

''ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے''

لہٰذا کسی بھی نبی کی شان میں کسی بھی قسم کی گستاخی، چاہے وہ زبانی ہو، تحریری ہو، تصویر کی شکل میں ہو، اسکیچ کی شکل میں ہو، یا کسی بھی شکل میں ہو، اس کو سخت ترین سزا کا مستوجب قرار دیا جائے اور جب تک یہ نہیں ہوتا مسلمانوں کو اپنا احتجاج جاری رکھنا چاہیے۔

بعض لوگ یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ بھئی کب تک احتجاج کرتے رہو گے؟ ارے ہم اس وقت تک احتجاج کرتے رہیں گے جب تک نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کو مکمل تحفظ نہیں دیا جاتا، اس واسطے جب تک یہ احتجاج جاری نہیں رہے گا، اس وقت تک مغربی دنیا پر دباؤ نہیں پڑے گا، لہٰذا بین الاقوامی سطح پر اگر آپ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو وہ مؤثر اس وقت تک نہیں ہوگا، جب تک یہ احتجاج جاری نہیں رہے گا۔

احتجاج کی شرعی حدود

ہاں! یہ ضرور ہے کہ احتجاج کے لئے بھی جس طرح نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا حق ادا کرنے کی ضرورت ہے، وہاں آپ کی اطاعت بھی ایک مسلمان کا شیوہ ہونی چاہیے، اس احتجاج میں اگر کسی بے گناہ کی جان جاتی ہے، یا کسی بے گناہ کے مال کو لوٹا جاتا ہے، یا اس کو آگ لگائی جاتی ہے، تو اس کا جواز نہ اسلام میں ہے، نہ اخلاقی اعتبار سے اس کا کوئی جواز ہے، اور یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع

کے خطبہ کے موقع پر یہ اعلان فرمایا:

اَلَا اِنَّ دِمَـائَـکُمْ وَاَمْوَالَـکُمْ وَاَعْرَاضَـکُمْ حَرَامٌ عَلَیْکُمْ

کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا

"تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تمہارے اوپر اسی طرح حرام ہیں، جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے، اور تمہارے اس شہر کی حرمت ہے"

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت ابن ماجہ میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور طواف کرتے کرتے آپ نے کعبہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اے بیت اللہ! تیری عظمت اور تیری تقدیس کتنی بڑی ہے۔ صحابی کہتے ہیں کہ میں نے یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنے، آپ نے دو تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے کہ اے بیت اللہ! تیری عظمت اور تیری تقدیس کتنی بڑی ہے، اور پھر تھوڑی دیر کے بعد خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے بیت اللہ! تیری عظمت بہت بڑی ہے، لیکن ایک چیز ایسی ہے، جس کی عظمت اور جس کی تقدیس تجھ سے بھی زیادہ ہے، پھر فرمایا کہ وہ ایک مسلمان کی جان، اس کا مال، اس کی آبرو، اس کی حرمت اور تقدیس ہے، یہ کعبہ سے بھی زیادہ بڑی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی بے گناہ مسلمان کی جان پر، یا اس کے مال پر، یا اسکی آبرو پر حملہ کرتا ہے تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ اس سے بھی بڑا مجرم ہے جو کعبے کو- معاذ اللہ-

ڈھانے کا ارتکاب کرے، اس سے مکمل اجتناب اور پرہیز کرتے ہوئے ہمیں عوامی طور پر یہ احتجاج جاری رکھنا چاہیے، اور گستاخ ممالک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا چاہیے، اور بین الاقوامی سطح پر اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ کسی طرح ساری دنیا میں اس بات کو تسلیم کرلیا جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ادنیٰ توہین قابل تعزیر اور سخت ترین سزا کی مستوجب قرار پائے۔

بہرحال! ان گستاخانہ خاکوں کے ضمن میں یہ تین طرح کے اقدامات کی تجاویز پیش خدمت ہیں، جن میں سیاسی، معاشی اور تبلیغی سطح پر جدوجہد کرنی شامل ہے۔

(۱)... سیاسی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہماری حکومت ڈنمارک کے سفیر کو نکال دے، اور اپنے سفیر کو بلالے، اگر اس طرح تمام مسلم ممالک کریں، تو اس کا خاطرخواہ اثر پڑسکتا ہے۔

(۲)... معاشی سطح پر ان ممالک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے، جن میں گستاخانہ خاکے شائع ہوئے ہیں اور فلم بنائی گئی ہے، کیونکہ ڈنمارک حکومت نے نیم دلانہ قسم کے اقدامات کیے ہیں، اس گستاخ پر مقدمہ نہیں چلایا۔

(۳)... تبلیغی سطح پر یہ معاملہ میڈیا پر لانے کی ضرورت ہے، کیونکہ یورپ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے، جن کو ان معاملات کی سرے سے معلومات ہی نہیں ہوتیں، وہ معاشی مصروفیات میں سارا دن گزار دیتے ہیں، آج دنیا میں تعلیم و تبلیغ کا وسیع ذریعہ میڈیا ہے، ہم تبلیغی معاملے پر احساس جرم کا اعتراف کرتے ہیں، اسلام کو صحیح طور پر پیش کرنے میں ہم نے مجرمانہ کوتاہی سے کام لیا ہے۔ اللہ جل جلالہ

اپنے فضل وکرم سے، اپنی رحمت سے ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت کا وہ حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو اللہ جل جلالہ کی رضا کے مطابق ہو۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العلمین

زبان اور رنگ ونسل کی بنیاد پر

کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب

مولوی وکیل احمد

میمن اسلامک پبلشرز

لیاقت آباد نمبرا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	ناظم آباد پیٹرول پمپ، عیدگاہ میدان، کراچی۔
تاریخ خطاب	:	یکم شوال ۱۴۳۲ھ
وقت خطاب	:	قبل از نماز عید
اصلاحی خطبات	:	جلد نمبر 19

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زبان اور رنگ ونسل کی بنیاد پر

کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں

ناظم آباد کراچی کی وسیع وعریض عید گاہ میں طویل عرصے سے نماز عید کی ذمہ داری حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے متعلق ہے، جہاں بہت بڑی تعداد میں لوگ نماز عید ادا کرتے ہیں، اس دفعہ عید الفطر ۱۴۳۲ھ کے اس عظیم اجتماع سے آپ نے جو خطاب فرمایا، اس میں آپ نے رمضان المبارک میں پیش آنے والے قتل وغارت گری کے المناک واقعات کے تناظر میں بڑی دلسوزی کے ساتھ مسلمانوں کو باہمی منافرت سے بچنے اور الفت ومحبت کیساتھ رہنے کی مؤثر تلقین فرمائی اور قرآن وسنت کی روشنی میں جان، مال اور عزت وآبرو کی حرمت وحفاظت کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔ حضرت والا دامت برکاتہم کا حکمت وبصیرت اور سوز دروں سے معمور یہ خطاب ہر کلمہ گو مسلمان تک پہنچنا چاہیے۔ چنانچہ مولوی وکیل احمد صاحب اس خطاب کو ضبط تحریر میں لے آئے، قارئین کے استفادہ کیلئے یہ خطاب شائع کیا جارہا ہے..... بشکریہ البلاغ (ادارہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ وَ

لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِیْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ (البقرة: ۱۸۵) آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْم ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِيْم ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاكِرِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ .

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا کرنا واجب ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس عید کو ہم سب کے لئے، پورے ملک وملت کے لئے، عالم اسلام کے لئے اور پوری امت اسلامیہ کے لئے برکتوں اور رحمتوں کی عید بنائے، آمین۔ حقیقت یہ ہے کہ اس پر اللہ جلالہ کا جتنا بھی شکرادا کریں، اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں رمضان کا مقدس مہینہ عطا فرمایا اور اس مہینے میں اپنے فضل وکرم سے روزے رکھنے کی، تراویح پڑھنے کی اور قرآن کریم کی تلاوت کی توفیق عطا فرمائی۔

انعام کی رات

اللہ تبارک وتعالیٰ نے عید کا یہ دن رمضان کی عبادتوں کے انعام کی طور پر مقرر فرمایا ہے، عید کی جو رات گزری ہے، اسے حدیث میں "لَيْلَةُ الْجَائِزَة" قرار دیا گیا ہے، یعنی یہ انعام کی رات ہے، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنت کی اتباع میں رمضان میں جو عبادت کی، اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں اس رات میں مؤمنوں کو انعام عطا فرماتے ہیں۔

محنت کا صلہ

مسلمان جب عیدگاہ میں عید کی نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فرشتوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! اگر کسی مزدور نے اپنا کام پورا کرلیا ہو تو اس کا کیا انعام ہونا چاہیے؟ فرشتے جواب میں کہتے ہیں کہ یا اللہ! جس مزدور نے اپنی محنت پوری کرلی، اپنا کام پورا کرلیا، اس کا صلہ یہ ہونا چاہیے کہ اس کی پوری پوری اجرت اس کو ادا کی جائے، اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عیدگاہ کے اندر جو مسلمان جمع ہیں، ان کے ذمہ میں نے جو عبادت فرض کی تھی، انہوں نے وہ عبادت مکمل طور پر ادا کردی، اور آج یہاں اس میدان عید میں میرے پاس جمع ہوئے ہیں، اور مجھ سے دعائیں مانگ رہے ہیں، میں اپنی عزت کی قسم کھاتا ہوں، میں اپنے جلال کی قسم کھاتا ہوں کہ آج ان سب کی دعائیں قبول کروں گا، اور جب یہ عیدگاہ سے واپس جائیں گے تو اس طرح جائیں گے کہ ان سب کی مغفرت ہوچکی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں

صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی سیئات یعنی خطاؤں کو بھی میں اچھائیوں سے بدل دوں گا، اور جب یہاں سے واپس جائیں گے، تو ان کی مغفرت ہوچکی ہوگی، اتنی عظیم بشارت ہے، اتنا عظیم انعام ہے، جو اللہ جل جلالہ

عید کے موقع پر اپنے بندوں کو عطا فرماتے ہیں، یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے رمضان کی عبادات مکمل کرانے کے بعد اپنی ساری نااہلیوں کے باوجود، اپنی ساری خطاؤں کے باوجود ہمیں اپنی بارگاہ میں اپنی رحمت کے مناسب انعام لینے کے لئے جمع کیا، ہم اپنی ذات میں کسی انعام کے مستحق نہیں ہیں، ہم کیا، ہماری عباوتیں کیا، ہمارے روزے کیا، ہماری تراویح کیا، ہمارا ذکر و تسبیح کیا، لیکن یہ ان کی رحمت ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے فرماتے ہیں کہ میں اس کی سیئات کو بھی حسنات یعنی نیکیوں میں تبدیل کر دوں گا۔

عمل میں کوتاہی بھی نیکی سے بدل دیجائے گی

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہاں سیئات سے مراد گناہ بھی ہو سکتے ہیں، اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ روزے رکھنے میں تراویح پڑھنے میں، قرآن کریم کی تلاوت میں جو کوتاہیاں ہوئیں، جو غلطیاں ہوئیں، جو حق تلفیاں ہوئیں، اللہ تبارک و تعالیٰ ان ساری حق تلفیوں کو معاف فرما کر ان کو حسنات یعنی نیکیوں کے دائرے میں لکھ دیں گے "یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّئَاتِهِمْ حَسَنَات" تو عید کا دن ہمارے لئے بڑی ہی خوشی کا، بڑی ہی سعادت کا اور بڑی ہی خوش نصیبی کا دن ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں انعام عطا کرنے کیلئے عیدگاہ میں جمع فرماتے ہیں۔

اس موقع پر دو تین باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رمضان کا مہینہ اور اس کے بعد عید کا دن ہمیں اس لئے عطا فرمایا ہے کہ سال کے گیارہ مہینوں میں ہم نے اپنے وجود میں جو گندگیاں جمع کی تھیں، اللہ

تبارک وتعالیٰ رمضان کی اس بھٹی سے گزار کر ان گندگیوں کو صاف فرماتے ہیں، اور عید کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ یہ فرما کر کہ ان سب کی مغفرت کر کے واپس بھیجوں گا ہمیں اس طرح بنادیتے ہیں جیسے ہم آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوں۔

اپنے صاف ستھرے وجود پر گناہوں کا داغ نہ لگنے دیں

اللہ تعالیٰ بندوں کو اس طرح بنا دیتے ہیں جیسے ایک میلا کپڑا کسی دھوبی کے پاس جانے کے بعد پاک صاف اور ستھرا، چٹا ہو جاتا ہے، اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ عید کے دن مسلمانوں کو پاک صاف اور چٹا بنا دیتے ہیں، اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کپڑا جتنا صاف ہو، جتنا دھلا ہوا ہو، جتنا چمکدار ہو، اس پر اگر ایک بھی داغ لگ جائے تو وہ اتنا ہی برا لگتا ہے۔ اگر ایک کپڑا میلا ہے، جس پر دس ہزار داغ لگے ہوئے ہیں، اس پر اگر ایک داغ اور لگ جائے تو وہ اتنا برا نہیں لگے گا، لیکن اگر کپڑا ایسا ہے جو ابھی دھل کر آیا ہے، اور نیا اور صاف اور چٹا کپڑا ہے، اس کے اوپر اگر ایک چھوٹا سا داغ بھی لگ جائے گا تو وہ داغ بہت برا لگے گا۔

''عید'' کا دن زندگی کے ایک نئے موڑ کا دن

ایک طرح سے اگر دیکھا جائے تو آج ہماری ایک نئی زندگی شروع ہو رہی ہے، ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے، اس لئے ہمیں اس بات کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس پاک صاف اور سفید چٹے وجود کے اوپر گناہوں کے داغ نہ لگیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے داغ نہ لگنے پائیں، اور جس طرح رمضان میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی خاطر ہم نے اپنا کھانا چھوڑ دیا تھا، پینا چھوڑ دیا تھا، جنسی خواہشات

کو چھوڑ دیا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے اگرچہ ہمارے لئے کھانا حلال کر دیا، پینا حلال کر دیا، لیکن جو چیزیں گناہ ہیں، معصیتیں ہیں، ان کو اپنی آنے والی زندگی میں اسی طرح چھوڑیں گے جیسے روزہ کی حالت میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خاطر کھانا، پینا چھوڑ دیا تھا، عید کے دن کا ایک عظیم سبق تو یہ ہوا۔

امت مسلمہ سازشوں کے جال میں پھنسی ہوئی ہے

دوسری بات جو عید کے ماحول میں بہت ہی زیادہ اہمیت کی حامل ہے وہ بڑی دردمندی کے ساتھ میں آپ حضرات کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے رمضان کا مبارک مہینہ عطا فرمایا اور عید کی نماز کے لئے، عید گاہ کے میدان میں مغفرت کیلئے، دعائیں قبول کرنے کیلئے جمع فرمایا، یہ اس کا فضل وکرم ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ ہمارا رمضان اس طرح گزرا ہے بلکہ پوری امت مسلمہ کا رمضان اور عید ایک ایسی حالت میں آرہی ہے کہ آج ہمارا شہر، ہمارا ملک اور پورا عالم اسلام مسائل کے جال میں پھنسا ہوا ہے، مشکلات کے جال میں پھنسا ہوا ہے، دشمنوں نے ہمارے لئے طرح طرح کی سازشوں کے جو جال تیار کئے ہیں، ان میں خود ہم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے، اپنی نادانیوں کی وجہ سے، اپنی بے وقوفیوں کی وجہ سے، اپنی حماقتوں کی وجہ سے، اپنی ہوس پرستیوں کی وجہ سے، اپنی مفاد پرستیوں کی وجہ سے پھنسے ہوئے ہیں، اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ رمضان جیسے مقدس مہینے کے اندر بھی وحشت اور بربریت اور درندگی کے ایسے مناظر سامنے آئے ہیں، جن کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، مسلمان نے

مسلمان کو ذبح کیا ہے، اس کے ہاتھ پاؤں، ناک کان کاٹے ہیں۔

کافروں کا مثلہ بھی حرام ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے خلاف جہاد کے لئے جب کوئی لشکر بھیجتے تھے تو مستقل طور پر یہ ہدایت فرماتے تھے کہ" لا تقتلوا ولیدا ولا امراۃ و لا شیخافانیا و لا تمثلوا و لاتغدروا "خبردار! کسی بچے کو نہ مارنا، کسی عورت کو قتل مت کرنا، کسی بوڑھے کو قتل مت کرنا، اور اگر کوئی جوان تمہارے مقابلے میں آیا ہوا ہے، اور اس کو قتل کرنے کی نوبت آئے تو کبھی مثلہ نہ کرنا، یعنی اس کے ہاتھ پاؤں، ناک، کان کو کاٹنا تمہارے لئے حرام ہے، کافر جو کہ دشمن ہیں، اور تلوار لے کر مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھانے کے لئے میدان جنگ میں اترے ہوئے ہیں، ان کے بارے میں بھی حکم یہ تھا کہ ان کا مثلہ نہ کرنا، ان کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹنا، ان کے ناک کان کو نہ کاٹنا، وہ کافر جو مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے، ان کے خلاف جہاد کے دوران بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بیان فرمائی تھی۔

مسلمان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے

کافروں کے خلاف جہاد کے دوران تو یہ حکم تھا مگر رمضان کے اس مقدس مہینے میں مسلمان نے مسلمان کا مثلہ کیا، مسلمان نے مسلمان کو ذبح کیا، مسلمان نے مسلمان کو گولیوں سے چھلنی کیا اور اس کا مثلہ کر کے بوریوں میں بند کر کے، اس کی لاشیں پھینکیں، اس پر اگر ہم شرم سے ڈوب مریں تو بھی کم ہے، یہ دشمنوں کی سازش ہے، جس کا ہم اس قدر شکار ہو گئے ہیں کہ اس کی برائی بھی دل سے مٹ رہی ہے،

انسانی جان کو مکھی مچھر سے زیادہ بے حقیقت قرار دے دیا گیا ہے، مکھی مچھر کو مارتے ہوئے بھی انسان کو کبھی خیال آجاتا ہے کہ یہ اللہ کی مخلوق ہے، لیکن انسانوں کو قتل کرتے ہوئے، انسانوں کے بچوں کو مارتے ہوئے، ان کی عورتوں کو قتل کرتے ہوئے، مریضوں اور بیماروں کو قتل کرتے ہوئے، بوڑھوں پر حملہ کرتے ہوئے ہماری رگِ حمیت نہیں پھڑکتی، کوئی غیرت نہیں جاگتی، انسانیت کا کوئی خیال دل میں پیدا نہیں ہوتا، اس حالت میں ہم نے یہ رمضان گزارا ہے، اور نہ جانے ہمارے کتنے بھائیوں اور بہنوں کے خاندان اُجڑے ہیں، ان کے گھروں میں صف ماتم بچھی ہوئی ہے، یہ اس لئے کہ ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے جو جنگ جو کافر حربی کے ساتھ بھی جائز نہیں ہے، یہ بہت بڑا اجتماعی گناہ اور بہت بڑا اجتماعی جرم ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے توبہ کی توفیق دے۔

کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں

ہم لوگ نبی کریم سرور دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو پس پشت ڈال کر ذاتی، سیاسی، متعصبانہ، رنگ ونسل پر مبنی خیالات اور جذبات کے اندر بہے جا رہے ہیں، نبی کریم سرور دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں ایک عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا تھا، انسانیت کا منشورِ اعظم نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا، اور اس میں یہ اعلان فرمایا تھا کہ آج جاہلیت کی تمام رسمیں میں نے اپنے پاؤں تلے روندی ہیں، ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مجمع ہے، اور آپ

اس میں یہ فرمارہے ہیں کہ اے مسلمانو! میری بات غور سے سنو، مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ تم دوبارہ بت پرستی میں مبتلا ہو جاؤ گے، اللہ نے تمہیں بت پرستی سے نجات دی، توحید کی نعمت عطا فرمائی، اسلام کی دولت بخشی، مجھے اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ تم میرے جانے کے بعد دوبارہ بت پرستی میں مبتلا ہو جاؤ گے، بتوں کے آگے جھکنا شروع کردو گے، لیکن مجھے تمہارے بارے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خود تمہارے درمیان تلوار چل جائے، اور ایسا نہ ہو کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، جو لوگ موجود ہیں وہ میری یہ بات سن کر ان تمام مسلمانوں تک پہنچا دیں جو اس وقت موجود نہیں ہیں کہ آج سے اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے تمام نعروں کو میرے پاؤں تلے روند دیا ہے، اور میں تم کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے اعلیٰ ترین خاندان سے تعلق رکھتے تھے، مگر آپ نے فرمایا کہ آج میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے، تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے، تم سب بھائی بھائی ہو، ہاں اگر کسی کو کسی پر فضیلت حاصل ہے تو وہ تقوی کی وجہ سے ہے، تم میں سے جو شخص زیادہ تقوی رکھنے والا ہوگا، اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوگا، اللہ کے حکموں پر زیادہ چلنے والا ہوگا، وہ تم میں فضیلت والا ہوگا، لیکن کوئی عربی کسی عجمی پر کوئی فوقیت نہیں رکھتا، کوئی رنگ ونسل والا دوسرے رنگ ونسل والے پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا، یہ فرما کر

آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا" اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ "اے اللہ! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا۔ میرا فرض یہ تھا کہ میں ان لوگوں کو آگاہ کر دوں تو اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا۔" اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ "اے اللہ! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا۔ "اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ "اے اللہ! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا۔ تین مرتبہ آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔

عید الاضحیٰ کا خطبہ

حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے دن آپ یہ بات ارشاد فرما چکے تھے، آپ نے دوسرا خطبہ اس سے اگلے دن دس ذی الحجہ کو منیٰ میں دیا، اور یہ عید کا دن تھا، عید کے دن یعنی یوم نحر کو عید کا خطبہ تو ہوتا ہے، لیکن کوئی خطبہ الگ سے حج کا نہیں ہوتا، حج کا خطبہ صرف عرفات کے دن ہوتا ہے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر دن رات اپنی امت کی جو فکر سوار تھی، اس کی وجہ سے عید کے دن آپ نے دوبارہ لوگوں کو جمع کیا، اور دوبارہ جمع کر کے لوگوں سے پوچھا کہ ذرا مجھے بتاؤ! آج کون سا دن ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے فرمایا" اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ "آپ نے فرمایا کہ کیا آج عید کا دن نہیں ہے؟ صحابہ کرام نے فرمایا ہاں؛ آج عید کا دن ہے، آپ نے فرمایا: اچھا یہ جگہ کون سی ہے؟ یہ شہر کون سا ہے؟ صحابہ کرام نے بتایا یہ حدود حرم کا علاقہ ہے (منیٰ حدود حرم میں ہے) فرمایا کہ مہینہ کون سا ہے؟ صحابہ کرام نے کہا کہ ذوالحجہ کا مہینہ ہے، آپ نے فرمایا کہ ذوالحجہ کا مہینہ حرمت والے مہینوں میں داخل ہے، تو آج یہ دن بھی حرمت والا، یہ جگہ بھی حرمت والی، یہ مہینہ

بھی حرمت والا، آج میں تم سے کھلم کھلا یہ بات کہتا ہوں کہ مسلمانوں میں سے ہر ایک کی جان، اس کا مال، اس کی آبرو اتنی ہی حرمت رکھتی ہے، جتنی حرمت آج کے دن کی ہے، جتنی حرمت آج اس جگہ "حدود حرم" کی ہے، جتنی حرمت ذوالحجہ کے اس مہینے کی ہے، لہٰذا خدا کے لئے اس حرمت کو پامال نہ کرنا، کسی کی جان پر، کسی کے مال پر، کسی کی آبرو پر حملہ آور نہ ہونا، پھر آپ نے فرمایا" الا فلیبلغ الشاھد الغائب "جو لوگ میری یہ بات سن رہے ہیں، وہ میری یہ بات دوسروں تک پہنچا دیں، آخری حج کے موقع پر اتنی تاکید کے ساتھ آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی۔

رنگ ونسل کے فتنے سے بچیں

خطرہ بت پرستی کا نہیں، خطرہ اس بات کا ہے کہ شیطان تمہارے دلوں میں رنگ ونسل کے فتنے پیدا کرے گا، بھائی بھائی سے لڑے گا، اور کہے گا کہ تم فلاں قوم سے تعلق رکھتے ہو، تم فلاں قوم سے تعلق رکھتے ہو، اور ان کے درمیان آپس میں جنگ وجدال پیدا کرے گا، فرمایا کہ جزیرۂ عرب میں شیطان اپنی پرستش سے مایوس ہو چکا، اب شیطان کی عبادت یہاں پر نہیں کی جائے گی، لیکن شیطان تمہارے اندر یہ فتنے پیدا کرے گا کہ تم اردو بولنے والے ہو، تم پشتو بولنے والے ہو، تم سندھی بولنے والے ہو، تم بلوچی بولنے والے ہو، لہٰذا ان کے درمیان آپس میں رنجشیں پیدا کر کے شیطان آپس میں لڑائی پیدا کرے گا۔

ایک مسلمان کی جان کی حرمت بیت اللہ کی حرمت سے بھی زیادہ ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین روایت فرماتے

ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا، اسی دوران سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے اللہ کے گھر! اے بیت اللہ! ''ما اکرمك، ما اعظم حرمتك او کما قال علیه الصلوٰة والسلام'' اے بیت اللہ! تو کتنا مقدس ہے، اے بیت اللہ! تیری عزت اور عظمت کتنی بڑی ہے، دو تین مرتبہ یہ بات ارشاد فرمائی، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں سن رہا تھا کہ آپ بیت اللہ سے خطاب فرما رہے ہیں کہ تیری عزت بہت بڑی ہے، تیرا تقدس بہت بڑا ہے، تیری عظمت بہت بڑی ہے، لیکن ساتھ ہی پھر فرمایا: ایک چیز ایسی ہے جس کی حرمت، جس کا تقدس، جس کی عزت، اے بیت اللہ! تجھ سے بھی زیادہ ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں حیران ہوا کہ اس کائنات میں کون سی چیز ایسی ہوگی جس کی حرمت اور تقدس بیت اللہ سے بھی زیادہ ہو، تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! ایک چیز ایسی ہے جس کی عزت، حرمت، تقدس بیت اللہ سے بھی زیادہ ہے، اور وہ ایک مسلمان کی جان ہے، اس کا مال، اس کی آبرو ہے، یعنی اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی جان پر، اس کے مال پر، اس کی آبرو پر ناحق حملہ کرتا ہے تو وہ اس شخص سے زیادہ بد بخت ہے، زیادہ گناہ گار اور زیادہ مجرم ہے جو معاذ اللہ بیت اللہ کو ڈھانے کی کوشش کرتا ہے۔

ہر مسلمان بیت اللہ کا محافظ ہے

ذرا سوچیں تو سہی آج اگر کسی مسلمان کے سامنے خدانہ کرے یہ بات آئے

کہ کوئی بدبخت بیت اللہ کی طرف بُری نگاہ سے دیکھ رہا ہے، اور اس کو خدانہ کرے منہدم کرنے کی فکر میں ہے تو کیا کوئی مسلمان خواہ کتنا ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو، اسے برداشت کرے گا؟ وہ اپنی جان قربان کردے گا، اپنی اولاد کو قربان کردے گا، لیکن بیت اللہ کی حرمت پر حرف نہیں آنے دے گا۔

دردمندانہ نصیحت

میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا واسطہ دے کر جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا (النساء:۹۳)'' یعنی جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا واسطہ دے کر آپ سے انتہائی دردمندی کے ساتھ، انتہائی دلسوزی کے ساتھ یہ اپیل کرتا ہوں کہ خدا کے لئے دشمنوں کی سازشوں سے باخبر رہیں، اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچانیں۔

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے

جو لوگ مسلمانوں کے درمیان نسلی اور لسانی تعصبات کو ہوا دے رہے ہیں، ان کی بات پر کسی وقت کان نہ دھریں، اور ان سے اپنی برأت کا اظہار کریں، ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، خواہ وہ کوئی بھی زبان بولنے والا ہو، کسی بھی جگہ کا رہنے والا ہو، کوئی بھی رنگ ونسل رکھتا ہو، سب اللہ کے بندے ہیں، سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں، مسلمان تو درکنار ہمارے معاشرے میں جو غیر مسلم امن کے ساتھ رہتے ہیں، اسلام نے ان کی جان کو بھی حرمت عطا کی ہے، ان کو

مارنا، اور انکو قتل کرنا بھی حرام قرار دیا ہے، مسلمانوں کا معاملہ تو اور زیادہ سخت ہے۔

ایک نئی زندگی کا آغاز کیجئے

خدا کے لئے ہوش میں آیئے، اس سے سوائے دشمن طاقتوں کے اور کسی کو فائدہ نہیں پہنچے گا، رمضان گزارنے کے بعد ہم عید کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کے لئے جمع ہوئے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں، اپنے گناہوں سے مغفرت مانگنے کے لئے جمع ہوئے ہیں، یوں سمجھیں آج ہماری ایک نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے، آج ہم ایک نئے دور میں داخل ہو رہے ہیں، آج یہاں جتنے لوگ موجود ہیں، ان میں بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جن کا تعلق مختلف گروہوں سے، مختلف جماعتوں سے، اور مختلف انجمنوں سے ہوگا، ان کا اپنا اپنا حلقہ اثر ورسوخ ہوگا، میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ میدان عیدگاہ سے یہ عہد کر کے اٹھیں کہ جو دشمن مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا رہے ہیں، ہم ان کی سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے، اور جس دن مسلمانوں نے یہ عزم کر لیا کہ ہم ان دشمنوں کی سازشوں کا حصہ نہیں بنیں گے، یقین رکھئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد آئے گی ''اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (سورہ محمد: ۷) ''اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم جمادے گا۔ تمام لوگوں کی جانیں بے مقصد جا رہی ہیں، محض دشمنوں میں جا رہی ہیں، لیکن اگر کوئی جان اللہ کے حکم کو نافذ کرنے میں چلی جائے تو وہ جان درحقیقت بڑی قیمتی جان ہے۔

امن وامان کی فضا پیدا کیجئے

میرے بھائیو اور دوستو! آج میں آپ سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ اللہ کے نام پر یہ عہد کرلیں کہ ان باہمی نفرتوں کو ختم کریں گے، ان کے اسباب کا ازالہ کریں گے، اور امن وامان کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کریں گے، اور جو لوگ اس امن و امان کی فضا کو خراب کرنا چاہتے ہیں، انکے ساتھ کسی طرح کا تعاون نہیں کریں گے، اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

”وَاَنَّ اَعْمَالَ بَنِیْ آدَمَ وَقَوْلَهُمْ یُوْزَنُ“

بنی آدم کے اعمال بھی اور اس کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں بھی قیامت کے دن میزانِ عمل کے اندر تولی جائیں گی، اور سب کا وزن ہوگا،

موجودہ پر آشوب دور میں

علماء کی ذمہ داریاں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مولوی عبدالتواب
مولوی اعجاز احمد صمدانی

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبرا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جامعہ دارالعلوم کراچی
تاریخ خطاب	:	۵/اگست ۲۰۰۷ء
وقت خطاب	:	بروز اتوار، گیارے بجے دن
اصلاحی خطبات	:	جلد نمبر 19

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ پرآشوب دور میں

علماء کی ذمہ داریاں

۲۰رجب ۱۴۲۸ھ، ۵/اگست ۲۰۰۷ء بروز اتوار تقریباً گیارہ بجے دن جامعہ دارالعلوم کراچی کی مسجد میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نائب رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی نے صحیح بخاری کے آخری باب کا درس دیا، جس نے حضرت والا دامت برکاتہم نے موجودہ حالات کے تناظر میں طلبہ و سامعین کو قیمتی نصائح اور چشم کشا ہدایات سے نوازا، جسے مولوی عبدالتواب، اور مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب نے قلم بند کیا، ان ہدایات کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اصلاحی خطبات میں شامل کیا جارہا ہے۔........(ادارہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

تمہید

امابعد! یہ صحیح بخاری کا آخری درس ہے اور اس درس پر انشاء اللہ ہمارے دارالعلوم کا تعلیمی سال کا اختتام ہوگا، صحیح بخاری کے آخری درس کے بارے میں پہلے یہ اہتمام ہوتا رہا ہے کہ اس میں لوگوں کو مدعو کیا جاتا تھا، پہلے سے اس کا اعلان بھی ہوتا تھا، اور تقریب کی سی شکل بن جاتی تھی، لیکن اکابر نے یہ محسوس کیا کہ ہر

سال اس تقریب کا اہتمام کرنا کہیں آگے چل کر کسی مفسدہ کا سبب نہ بن جائے، اس لئے کسی اعلان کے بغیر پچھلے سال بھی اور اس سال بھی یہ آخری درس معمول کے مطابق کرنے کا نظم طے ہوا، اور اس کے مطابق ہم اور آپ یہاں پر جمع ہیں۔

اس موقع پر صدر دارالعلوم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم مجلس میں خطاب بھی فرمایا کرتے تھے، اور دعا بھی کرایا کرتے تھے، لیکن آپ حضرات کو یہ معلوم ہوگا کہ پچھلے دنوں ان کی آنکھ کا آپریشن ہوا، اور اس کی وجہ سے وہ صاحب فراش ہیں، امید ہے کہ سب حضرات ان کی صحت کاملہ کے لئے دعا گو ہوں گے، ہمارے ایک اور استاد حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب، اللہ تعالیٰ ان کو عافیت کے ساتھ سلامت رکھے، وہ بھی اپنی ناسازی طبع کی بناء پر اس مجلس میں موجود نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بھی صحت کامل عاجل عطا فرمائے۔ آمین

ہر قول وفعل میزان عمل میں تولا جائے گا

صحیح بخاری کا یہ آخری باب ہے، جس میں امام بخاریؒ نے قرآن کریم کی ایک آیت کو باب کا عنوان اور ترجمۃ الباب بنایا ہے، جیسا کہ ان کی عادت ہے۔ اور فرمایا کہ باب قول اللہ تعالیٰ "وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ" یہ باب اللہ جل جلالہ کی اس قول کی تشریح میں ہے، جس میں باری تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم قیامت کے دن انصاف کے لئے ترازوئیں قائم کریں گے، اور پھر اس کی آگے تشریح یہ فرمائی کہ "وَاَنَّ اَعْمَالَ بَنِیْ آدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوْزَنُ" بنی آدم کے اعمال بھی اور اس کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں بھی قیامت کے دن میزان عمل کے اندر تولی

جائیں گی، اور سب کا وزن ہوگا، یہ ہے باب کا عنوان، اور اس باب پر امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو ختم فرمایا ہے، اور جیسا کہ آپ حضرات صحیح بخاری کے درس کے دوران دیکھتے چلے آئے ہیں کہ امام بخاریؒ کے عجیب وغریب مدارک ہیں، جن کے تحت وہ ترجمۃ الباب قائم فرماتے ہیں۔ یہاں درحقیقت امام بخاریؒ نے کتاب کو ختم کرنے کے لئے اس باب کا انتخاب یہ تنبیہ کرنے کے لئے فرمایا کہ جو کچھ اس کتاب میں آپ حضرات نے اول سے لے کر آخر تک پڑھا ہے، جو احکام آپ نے پڑھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعلیمات آپ نے پڑھیں، ان تمام کا آخری انجام یہ ہے کہ جو عمل بھی آپ سے صادر ہوگا، یا جو بات آپ کے منہ سے نکلے گی، بالآخر اللہ جل جلالہ کے یہاں میزان عمل میں اس کو تولا جائے گا ''فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ وَمَا اَدْرٰكَ مَاهِيَهْ نَارٌ حَامِيَةٌ''

اگر ان اعمال واقوال کا وزن زیادہ ہوا تو ایسی زندگی اس شخص کو ملے گی جو خوشیوں ہی خوشیوں کی زندگی ہوگی، اور اگر خدا نہ کرے ان کے میزان عمل میں کمی آگئی، ترازو ہلکی پڑگئی تو اس کا ٹھکانہ ایک دردناک گڑھے میں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس انجام سے محفوظ رکھے۔ آمین

درحقیقت امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کر کے جاتے جاتے ہمیں اور آپ کو یہ پیغام دیا ہے کہ اپنے ہر ہر قول وفعل میں، ہر ہر نقل وحرکت میں یہ دیکھیں کہ جو کام کرنے جارہے ہیں، میزان عمل میں اس کا وزن کتنا ہوگا، آیا وہ عمل اپنے اندر کوئی وزن رکھتا ہے یا نہیں، اگر وزن رکھتا ہے تو بے شک وہ کام کرو، لیکن وہ عمل جو بے

وزن اور بے حقیقت ہو، اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہ ہو تو ایسے عمل سے احتراز کرو۔

اعمال میں وزن پیدا کرنے کی دو شرطیں

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اعمال میں وزن کیسے پیدا ہو؟ کون سی ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ سے انسان اپنے عمل میں وزن پیدا کرے، اور اس کو زیادہ وزنی بنائے تو اس کے لئے خوب سمجھ لیجئے کہ قرآن وسنت کے احکام پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اعمال میں وزن پیدا کرنے کی دو شرطیں ہیں، یہ دو شرطیں پائی جائیں گی تو چھوٹے سے چھوٹے عمل میں بھی وزن پیدا ہوگا۔ اور اگر ان دو شرطوں میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو، یا العیاذ باللہ دونوں مفقود ہوں تو اس عمل میں کوئی وزن نہیں، اس کا کوئی بہتر نتیجہ آخرت میں نکلنے والا نہیں، وہ دو شرطیں کیا ہیں؟ حضرات صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی اصطلاح کے مطابق وہ دو چیزیں یہ ہیں، ایک صدق دوسرے اخلاص۔ یہ اصطلاحات آپ نے بھی سنی ہوں گی، صدق کے معنی یہ ہیں کہ جو عمل بھی کیا جائے، وہ اس طریقے کے مطابق ہو جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر فرمایا، یا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا، اس طریقے کے مطابق عمل ہوگا تو وہ صدق ہے۔

اور دوسری چیز ہے اخلاص، یعنی اس کو عمل میں لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہو، اس کی رضا جوئی مقصود ہو، ریاکاری، دکھاوا، یا کوئی اور دنیاوی غرض اس سے وابستہ نہ ہو، اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے نماز اگر ٹھیک ٹھیک اس طریقہ کے مطابق پڑھی جائے جو شریعت نے مقرر کیا ہے، اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنت ہے "صلّوا کما رایتمونی اُصلّی" تو نماز کو اس کے تمام ارکان، شرائط، آداب، مستحبات کے ساتھ ادا کرنا یہ صدق ہے، اور اس نماز کے ادا کرتے وقت یہ نیت کرنا کہ میں اللہ جل شانہ کو راضی کرنے کے لئے پڑھ رہا ہوں، اس کی بندگی کے لئے پڑھ رہا ہوں، اس کے حکم کی تعمیل میں پڑھ رہا ہوں، اور اس کا مقصد سوائے اللہ جل شانہ کی رضا جوئی کے کوئی اور نہیں، تو یہ اخلاص ہے۔

یہ دو شرطیں ہیں عمل میں وزن پیدا کرنے کے لئے، اس کے بغیر عمل میں وزن پیدا نہیں ہوگا، اگر اخلاص ہو یعنی نیت اللہ ہی کو راضی کرنے کی ہو، لیکن صدق نہ ہو، یعنی عمل شریعت کے مطابق نہ ہو، سنت کے مطابق نہ ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو احکام دیئے ہیں ان کی تعمیل کے مطابق نہ ہو، تو وہ اخلاص تو ہے لیکن صدق نہیں، لہٰذا وہ عمل بے وزن ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں، وہ کسی شمار میں نہیں "وَ قَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا" (الفرقان:۲۳)

ہندو جوگیوں کے مجاہدے بے حیثیت کیوں ہیں؟

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ آج بھی جا کر دیکھ لو، گنگا کے کنارے کتنے ہندو جوگی ہیں، جو انتہائی سخت محنتیں اور مشقتیں برداشت کر رہے ہیں، کسی نے ہاتھ اونچا کیا ہوا ہے تو سالوں سے ہاتھ اونچا کئے کھڑا ہے، کسی نے ایک ٹانگ اُٹھائی ہوئی ہے تو سالہا سال سے ایک ٹانگ اُٹھایا ہوا کھڑا ہے، کوئی سانس روک کر بیٹھا ہوا ہے، گھنٹوں اس کی مشق کر رہا ہے، یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟ دل میں نیت یہی ہے کہ ہم اللہ کو

راضی کریں، اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت مقصود ہے، تو اخلاص تو ہے، لیکن عمل چونکہ صحیح نہیں، شریعت کے مطابق نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں، اس واسطے وہ عمل بے کار ہے، بے حیثیت ہے، بے وزن ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ''فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُوْرًا'' وہ اُڑتے ہوئے غبار کی طرح ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

بدعت کا حکم

جتنی بدعات ہیں ان کا بھی حال یہی ہے، اکثر وبیشتر دل میں نیت اچھی ہوتی ہے، یعنی نیت اللہ کو راضی کرنے ہی کی ہوتی ہے، عبادت کرنا مقصود ہوتا ہے، بعض اوقات دنیا داری مقصود نہیں ہوتی، اور دیکھنے میں عمل بظاہر ایسا نظر آتا ہے جس میں کوئی حرج بھی نہیں، یہ تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، یہ جو رسمیں ہمارے ہاں رواج پائی ہوئی ہیں، اس میں قرآن خوانی ہوتی ہے، سب لوگ جمع ہوتے ہیں، سب مل کر قرآن پڑھتے ہیں، تو بظاہر دیکھنے میں عمل ٹھیک ہے، اور اخلاص بھی ہے کہ مقصود اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت ہے، لیکن چونکہ وہ عبادت اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے طریقہ پر نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق نہیں، اس واسطے بے اثر ہے، بے وزن ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ''قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِيْنَ أَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا'' (الکہف:۱۰۴،۱۰۳)

سنت و بدعت کی وضاحت بذریعہ مثال

ہمارے ایک بزرگ تھے، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے ..... اللہ تعالیٰ ان کے

درجات بلند فرمائے۔ آمین...... حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو تبلیغی جماعت کے بڑے سرکردہ افراد میں سے تھے، اور حضرت والد صاحب سے بہت تعلق رکھتے تھے، اور کبھی کبھی کراچی آنا ہوتا تو حضرت والد صاحب کی خدمت میں آیا کرتے تھے، ایک مرتبہ تشریف لائے تو انہوں نے اپنا ایک عجیب خواب بیان کیا، وہ خواب بڑا عجیب وغریب اور معنی خیز تھا، خواب بیان فرمانے لگے کہ میں نے آپ کو یعنی حضرت والد صاحبؒ کو خواب میں دیکھا کہ کسی جگہ درس دے رہے ہیں، اور پیچھے تختہ سیاہ ہے...... بلیک بورڈ...... اور سامنے آپ درس دے رہے ہیں، درس دیتے ہوئے تختہ سیاہ پر ایک کا ہندسہ بنایا، اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ ایک کا ہندسہ ہے، پھر اس کے دائیں طرف ایک نقطہ لگا دیا، جیسے اردو میں ایک صفر لکھا جاتا ہے، تو پوچھا کہ اب کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا کہ دس ہوگیا، پھر ایک اور نقطہ لگایا، پوچھا کہ اب کیا ہوگیا؟ لوگوں نے کہا کہ سو ہوگیا، پھر ایک اور نقطہ لگایا، پوچھا اب کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا ہزار ہوگیا، پھر ایک نقطہ اور لگایا، دس ہزار ہوگیا، پھر ایک نقطہ اور لگایا ایک لاکھ ہوگیا، پھر ایک نقطہ اور لگایا دس لاکھ ہوگیا، فرمایا کہ دیکھو جتنے نقطے لگتے جارہے ہیں اس میں دس گنا اضافہ ہوتا جارہا ہے، پھر وہ سارے نقطے مٹا دیے جو دائیں طرف لگائے گئے تھے، اور پھر بائیں طرف نقطے لگانا شروع کئے، اور کہا کہ دیکھو یہ ایک ہے، اور یہی نقطہ جو میں نے دائیں طرف لگایا تھا، اب بائیں طرف لگا دیا، تو بتائیے کہ کیا ہوا؟ کہا کہ اب اعشاریہ ایک ہوگیا، جس کا معنی ایک کا دسواں حصہ، ایک نقطہ اور لگایا اب کیا ہوا؟ کہا اب اعشاریہ صفر ایک ہوگیا یعنی سوواں حصہ، ایک نقطہ اور لگا دیا اب کیا ہوا؟ کہا کہ اعشاریہ صفر صفر

ایک ہو گیا، یعنی ایک ہزار واں حصہ، ایک نقطہ اور لگا دیا، دس ہزار واں حصہ، فرمایا کہ بائیں طرف لگانے سے یہ عدد بڑھنے کے بجائے گھٹ رہا ہے، اور دائیں طرف لگانے سے عدد میں دس گنا اضافہ ہو رہا ہے، پھر فرمایا کہ یہ کرنے کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ دائیں طرف لگنے والے نقطے سنت ہیں، اور بائیں طرف جو نقطے لگ رہے ہیں یہ سب بدعت ہیں، یعنی اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت پر عمل کیا جائے تو "**کل حسنة بعشر امثالها**" کے مطابق اس کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا ہی چلا جائے گا، اور اگر اس کے بائیں طرف نقطے لگائے جائیں تو بظاہر وہ دیکھنے میں ویسے ہی نقطے ہوں، لیکن چونکہ عمل غلط ہے، خلاف سنت ہے، لہٰذا اجر بڑھنے کے بجائے گھٹتا چلا جائے گا "**کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار**" یہ بڑی حکیمانہ بات ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کو خواب میں دکھائی گئی۔

تو بات یہ ہے کہ جو عمل سنت کے مطابق نہ ہو وہ اللہ کے ہاں مقبول نہیں، اس میں صدق نہیں، اور قبولیت عمل اور وزن کی پہلی شرط مفقود ہے کہ صحیح طریقہ کے مطابق ہو، یہ بڑا اہم نکتہ ہے جو ہر ہر قدم پر یاد رکھنے کا ہے کہ بہت مرتبہ لوگ نیت تو صحیح کر لیتے ہیں، لیکن چونکہ عمل شریعت اور سنت کے مطابق نہیں ہوتا، تو محض نیت کے اچھے ہونے سے وہ عمل مقبول نہیں ہو جاتا، اس کو صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔

صرف نیت کا صحیح ہونا کافی نہیں

آج کل یہ وبا عام ہے کہ جہاں کسی کو کسی غلط کام پر متنبہ کیا گیا تو وہ جھٹ یہ

کہتا ہے کہ ''انما الاعمال بالنیات'' کہ ہماری نیت تو صحیح ہے، لہٰذا ہمارا عمل بھی ٹھیک ہے، مقبول ہے، آپ کو اعتراض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کسی کو کہا جائے کہ یہ جو نماز آپ پڑھ رہے ہو، صحیح طریقہ سے نہیں پڑھ رہے، کہتے ہیں کہ جی کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ سب قبول کرنے والے ہیں۔

میرے والد صاحبؒ ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے، تو وہاں منیٰ میں ملک کے نامور قائد تھے، ان سے ملاقات ہوگئی، وہاں برسبیل تذکرہ ان سے والد صاحب نے پوچھا کہ کیا آپ نے رمی کرلی؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے تو رمی نہیں کی لیکن اپنے کسی آدمی کو نامزد کردیا تھا، وکیل بنادیا تھا، اس نے جاکر رمی کرلی، والد صاحبؒ نے فرمایا کہ جب تک کوئی شخص جمرات تک خود چل کر جاسکتا ہو، اس کے لئے کسی کو وکیل بنانا شرعاً جائز نہیں ہے، کہنے لگے کہ جی نہیں''''اعمال تو نیت سے ہوتے ہیں، اور ہماری نیت صحیح تھی، لہٰذا رمی ہوگئی، والد صاحبؒ نے فرمایا کہ تو پھر اس آدمی کو بھی بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی، یہیں بیٹھے بیٹھے نیت کرلیتے۔ میرے عزیزو! یہ مغالطہ بڑا کثیر الوقوع ہے۔

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ شریعت کا یہ حکم نہیں، سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہوتی ہے کہ آیا وہ طریقہ اور عمل جو تم کرنے جارہے ہو وہ شریعت کے دائرہ میں ہے یا نہیں، اگر شریعت کے دائرہ میں نہیں ہے، اگر وہ جائز حدود میں نہیں آتا، اگر وہ سنت کے مطابق نہیں ہے، تو چاہے نیت تمہاری کتنی بھی اچھی ہو، وہ عمل قبول نہیں ہوسکتا، یہ ہے پہلی شرط کسی عمل میں وزن پیدا کرنے کی، اور دوسری شرط اخلاص ہے کہ جو عمل کیا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے کیا جائے، دکھاوا مقصود نہ ہو، نام

ونمود مقصود نہ ہو۔

بعض لوگوں نے دنیاوی اغراض اور دنیاوی حکمتیں نکال کر انکو ان عبادتوں کا اصل مقصد بتانا شروع کردیا، چنانچہ کہتے ہیں کہ نماز اس لئے مشروع ہے تاکہ پانچ وقت انسان کی جسمانی ورزش ہو، اور جماعت سے نماز اس لئے رکھی گئی ہے، تاکہ لوگ مسجد میں آئیں، اور مسجد میں آنے کے بعد ایک دوسرے سے ملیں، حالات پوچھیں، اور ایک وحدت کا مظاہرہ ہو، روزہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ سال بھر میں ایک دفعہ فاقہ کرنا چاہیے، تاکہ صحت درست ہو اور حج اس لئے رکھا گیا ہے کہ ساری مسلمانوں کی انٹرنیشنل اینول کانفرنس ہے جو وہاں منعقد ہوتی ہے۔

یہ ساری باتیں ایک لحاظ سے درست بھی ہیں، اس معنی میں کہ ان عبادتوں کے کچھ ثانوی اور ضمنی فوائد ہیں جو ان سے حاصل ہوتے ہیں، بے شک نماز کے اندر یہ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ آدمی کی ورزش بھی ہوتی ہے، مسجد میں جاتے ہیں تو دوسروں کے حالات سے بھی باخبر ہوتے ہیں، یہ فوائد بے شک ہوتے ہیں، لیکن ثانوی درجے میں، حکیم سعید صاحب مرحوم نے یہ بتلایا کہ مجھے ایک دل کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر نے یہ کہا تھا کہ دل کی بہترین ورزش یہ ہے کہ آدمی اس طرح بیٹھے جیسے التحیات میں بیٹھتا ہو، اور پھر گردن دائیں بائیں کرے، یہ دل کی سب سے بہترین ورزش ہے۔ تو یہ فوائد بے شک ہیں، لیکن ثانوی درجے کے ہیں، اصل مقصود نماز سے یہ ورزش کرنا نہیں ہے، اصل مقصود اور کچھ نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے، اس حکم کی تعمیل مقصود ہے، اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا جوئی مقصود ہے، جو آدمی یہ مقصود بنائے گا کہ نماز سے میری ورزش ہوگی، تو

نماز ہی نہیں ہوگی۔ بس اللہ کو راضی کرنے کے لئے عبادت کرے اور ضمنی طور پر اگر یہ فائدہ حاصل ہو جائے تو بے شک وہ فائدہ ہے، اس فائدے کا انکار نہیں کیا جا سکتا، تو اس لئے ہر عبادت میں مقصود اللہ کو راضی کرنا ہو۔

مخلوق کو راضی کرنا مقصود نہ ہو

مخلوق کی رضامندی، مخلوق کو خوش کرنا، مخلوق کی تعریف حاصل کرنا کہ مجھ سے راضی ہو جائیں، یہ مجھ سے خوش ہو جائیں، یہ میری تعریف کرنے لگیں، یہ اخلاص نہیں، یہ اخلاص کے خلاف ہے، اور آجکل کا ایک بہت بڑا فتنہ یہ ہے کہ لوگ اپنے ہر عمل میں رضائے خلق چاہتے ہیں، مخلوق راضی ہو جائے، دل میں یہ فکر رہتی ہے کہ کہیں لوگ ہم سے ناراض نہ ہو جائیں، کہیں یہ خفا نہ ہو جائیں، کہیں یہ ہم سے بد دل اور بداعتقاد نہ ہو جائیں، ان کے دل سے ہماری عقیدت ختم نہ ہو جائے، احترام ختم نہ ہو جائے، بہت سارے اقدامات اس لئے کئے جاتے ہیں کہ لوگ راضی ہوں، عوام راضی ہوں، عوام خوش ہو جائے، اور یہ ذہنیت پیدا کی ہے ووٹوں والی سیاست نے، مقصود چونکہ یہ ہے کہ لوگوں سے ووٹ لئے جائیں، لہٰذا جب تک ان کو راضی نہیں کریں گے، ان کو خوش نہیں کریں گے، اور جب تک ان کے دل میں اپنا اعتقاد پیدا نہیں کریں گے، اس وقت تک ووٹ حاصل نہیں ہوگا۔

قائد کسے کہتے ہیں؟

میرے والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے کہ قائد یا لیڈر تو اس کو کہتے ہیں کہ جو لوگوں کی راہنمائی کرے، قیادت کے معنی ہیں راہنمائی کرنا، لہٰذا ہونا تو یہ چاہیے کہ

عوام قائد کے پیچھے چلیں، لیکن آج کا قائد الٹا ہوتا ہے، آج کا قائد خود عوام کے پیچھے چلتا ہے، بعض اوقات جان رہا ہوتا ہے کہ عوام غلط سوچ رہے ہیں، غلط راستے پر جا رہے ہیں، وہ جانتا ہے کہ صحیح راستہ کوئی اور ہے، لیکن مقصود چونکہ عوام کو خوش کرنا ہوتا ہے، لہٰذا وہ اپنے ضمیر کے خلاف عوام کے پیچھے چل پڑتا ہے، تو یہ اخلاص کے منافی ہے، اخلاص وہ ہے کہ جس میں انسان اپنے اللہ کے حکم کے مطابق کام کرے، اس کا اپنے اللہ کے ساتھ رشتہ مضبوط ہو، اور اس کے مطابق اپنے تمام اعمال و اقوال کو ڈھالے، اور جس بات کو اپنے ضمیر کے لحاظ سے درست سمجھتا ہو، اس بات کو اس کے مطابق انجام دے، اس بات سے قطع نظر کر کے کہ عوام اس سے خوش ہوں گے، یا ناخوش ہوں گے۔

صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل

صلح حدیبیہ کا واقعہ دیکھئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کر چکے ہیں، جس کے بارے میں بعض صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ مرنے پر بیعت کی تھی، کہ یا تو ہم لڑ کر مر جائیں گے، یا فتح پائیں گے۔ سبحان اللہ، جوش و خروش کا یہ عالم۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نہیں، صلح کرنی ہے۔ اور صلح کرنے میں جو شرائط ہیں، بظاہر وہ دبی ہوئی شرائط ہیں، کافروں نے یہ شرط لگائی تھی کہ ہمارا کوئی آدمی آئے گا تو تمہیں واپس کرنا پڑے گا، تمہارا کوئی آدمی ہمارے پاس آئے گا تو ہم واپس نہیں کریں گے، اور عین اس وقت جبکہ یہ شرائط لکھی جا رہی تھیں تو ابو جندل جن کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی

تھیں، گھسٹ گھسٹ کر حدیبیہ کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں، اور مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دیکھو میرے اوپر ظلم ہو رہا ہے، میرے اوپر تشدد ہو رہا ہے، میری جان پر بنی ہوئی ہے، اس حالت میں تم مجھے کیسے کافروں کے حوالے کر دو گے؟

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم معاہدہ لکھنے والے سے کہتے ہیں کہ کم از کم ان کو مستثنیٰ کردو، وہ نہیں مانتا، دوبارہ فرماتے ہیں، نہیں مانتا، یہاں تک کہ جب وہ نہیں مانتا تو صحابہ کرام جوش میں اُبل رہے ہیں لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت اسلام کی، دین کی خیر خواہی کا تقاضہ یہی ہے کہ اس شرط کو منظور کر لیا جائے۔ ابو جندل کو اسی حالت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دیا، اس وقت کے بارے میں حضرت سہل بن حنیفؓ فرماتے ہیں کہ اگر ساری زندگی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی سرتابی کرنی ہوتی تو اس دن کر چکے ہوتے، کیونکہ دل و دماغ جوش و خروش سے بھرپور تھے، اور دل و دماغ اس بات پر آمادہ نہیں تھے کہ ان کافروں سے صلح کی جائے جو اتنے عرصے سے مسلمانوں کو ظلم و ستم کی چکی میں پیس رہے ہیں، لیکن جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم صلی نے فرمایا کہ صلح کرنی ہے تو سارے صحابہ کرامؓ نے سر جھکا لیا، اگرچہ دل میں غیظ و غضب اُبل رہا تھا، لیکن سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کرتے وقت یہ نہیں سوچا کہ یہ صحابہ کرامؓ جن سے میں نے موت پر بیعت لی ہے، اگر میں صلح کروں گا تو یہ میرے خلاف بغاوت کر دیں گے۔

جو اللہ کا حکم تھا، جو ملت اسلامیہ کی خیر خواہی کی بات تھی، وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دی، کیونکہ اللہ کو راضی کرنا مقصود تھا، مخلوق کو راضی کرنا مقصود

نہیں تھا، اس کے نتیجے میں کیا ہوا؟ آپ نے پڑھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احرام باندھ کر آئے تھے، اور کفار کے دباؤ میں احرام کھولنا پڑ گیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ سارے مسلمان احرام کھول دیں، ساری حیات طیبہ میں ایک وہی واقعہ ہے، کہیں اور اس کی نظیر نہیں ملے گی، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ احرام کھول دیں، لیکن ایک صحابی بھی احرام کھولنے کے لئے نہیں اٹھا، وہ صحابہ کرام جو آپؐ کے ایک لفظ پر جان دینے کو تیار، آپ فرما رہے ہیں کہ احرام کھول دو، لیکن انہوں نے احرام نہیں کھولا، یہاں تک کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تشویش ہونے لگی کہ یہ پہلا واقعہ ہے کہ ایک بات کہہ رہا ہوں اور صحابہ کرام میں سے کوئی آگے بڑھ کر اس پر عمل نہیں کر رہا۔

یہاں تک کہ آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنی تشویش کا اظہار کیا کہ آج عجیب واقعہ ہوا ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی صحابی نے میرے حکم کے بعد اس کی تعمیل میں دیر کی ہو، لیکن آج یہ عجیب منظر نظر آ رہا ہے کہ میں اعلان کر رہا ہوں، لیکن صحابہ کرام عمل کے لئے کھڑے نہیں ہو رہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بڑا حکیمانہ مشورہ دیا، عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں، یہ کچھ اور ارادے لے کر آئے تھے، اور آج ان کے ان ارادوں پر پانی پھر رہا ہے، اس کی وجہ سے ان کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ یہ آج آپ کے حکم کی تعمیل نہ کریں، لیکن اس دل کے ٹوٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے اس میں دیر لگ رہی ہے، آپ ایسا کریں کہ کسی سے نہ کہیں کہ احرام کھولو، آپ خود میدان میں جا کر بیٹھ

جائیں اور کسی حلاق کو بلا کر اپنے سر کا حلق کروانا شروع کر دیجئے، پھر دیکھئے کہ کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مشورے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے، اور سر کا حلق کرانا شروع کیا، پھر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا کہ جس صحابی کو دیکھو وہ آگے بڑھ کر حلق کروانے کی فکر کر رہا تھا، اور پھر اس کے بعد کسی کو تامل نہیں ہوا۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ قائد وہ ہے کہ عوام جس کے پیچھے چلیں، نہ یہ کہ وہ عوام کے پیچھے چلے، اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عوام کی رضا مقصود ہوتی تو آپ صلح گوارا نہ فرماتے، اور آپ فرماتے کہ یہ لوگ ناراض ہو جائیں گے، خفا ہو جائیں گے، لہٰذا میں جہاد کا اعلان کرتا ہوں، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات حق سمجھی، اس کے مطابق عمل کیا، اور عوام کو اپنے پیچھے چلایا، نہ یہ کہ عوام کے پیچھے خود چلنا شروع کر دیا۔

نیلسن منڈیلا کا طرز عمل

یہ حدیث آپ نے پڑھی ہے کہ ''کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن فحیث وجدھا فھو احق بھا'' حکمت کی بات مؤمن کی گمشدہ متاع ہے، جہاں سے بھی ملے، وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، تو آپ کو ایک کافر کی مثال دیتا ہوں، آپ نے نام سنا ہوگا کہ جنوبی افریقہ کے لیڈر ''نیلسن منڈیلا'' جس نے ۲۷ سال انتہا درجہ کی بربریت والی قید میں گزارے، اس نے اپنی سوانح عمری لکھی ہے، اور جب وہ چھپی تھی اتفاق سے وہاں سے میرے ایک دوست نے بھیجی، تو میں نے دو تین راتوں

میں ہی پوری پڑھی، بڑی دلچسپ سوانح عمری تھی، بڑی سبق آموز تھی۔

وہ اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ میں نے اپنی ساری جد جہد اس جنوبی افریقہ کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے کی، اور آپ کو پتہ ہے کہ وہاں پر جو غلامی کی نوعیت تھی وہ یہ تھی کہ جتنے حقیقی باشندے تھے اس علاقے کے، ان کو غلام بنایا ہوا تھا، اس طرح کہ ہر چیز میں نسلی امتیاز تھا، علاقے مقرر ہیں کہ یہاں گورا داخل ہوسکتا ہے، کالا نہیں آسکتا، گورے کا کتا جاسکتا ہے، کالا انسان نہیں جاسکتا، اس قسم کے قوانین تھے، اور سارے بڑے بڑے شہر روشنیوں سے جگمگا رہے تھے، اور کالوں کے جو علاقے تھے، وہاں پر بجلی میسر نہیں تھی، اندھیرے میں ڈوبے ہوتے تھے، اس نے آزادی کی تحریک شروع کی، اور آزادی کی تحریک ہی کے دوران پتہ نہیں کتنے ساتھیوں کو جبر وتشدد کا نشانہ بنایا گیا، ناحق چھین لئے گئے، کھالیں اتار لی گئیں، اور نیلسن منڈیلا کو خود ۲۷ سال ایسی جیل میں رہنا پڑا جو تمام انسانی حقوق سے محروم تھی، آپ اندازہ کیجئے کہ جس شخص کے ساتھ اتنا ظلم ہوا، اس کے انتقامی جذبات کیا ہو سکتے ہیں، وہ لکھتا ہے کہ میں ۲۷ سال تک سوچتا رہا، افریقین نیشنل کانگریس کا میں قائد تھا، ایک مرحلہ ایسا آیا کہ ان گوروں کے حکمران نے مجھ سے رابطہ کیا کہ میں آپ سے بات چیت کرنا چاہتا ہوں، اس وقت میں نے غور کیا کہ اگر اس وقت ان سے بات چیت کروں تو پوری جماعت مجھ سے باغی ہو جائے گی۔

۲۷ سال کی جد و جہد کے بعد میں نے ان سے بات چیت شروع کی، دوسری طرف میں یہ سوچتا رہا کہ ہوسکتا ہے کہ اس بات چیت کے نتیجے میں کوئی ایسا

حل نکل آئے جس سے میری قوم خونریزی سے بچ جائے، جانیں جو جانے والی ہیں اس سے بچ جائیں، اور کوئی پرامن راستہ نکل آئے۔ تو میں نے اپنے دل کو ٹٹولا، تو میرے سامنے دو خطرے تھے، ایک خطرہ تھا کہ میری قوم مجھ سے باغی ہو جائے گی، اور جو مجھ کو لیڈر سمجھتے ہیں وہ میری لیڈری سے دستبردار ہو جائیں گے، دوسری طرف خطرہ یہ تھا کہ میری قوم کے ہزار ہا افراد خون میں نہا جائیں گے، مجھے کوئی ایک صحیح راستہ اختیار کرنا تھا، تو میں نے پہلا راستہ اختیار کیا، اور میں نے اپنے دل کو سمجھایا کہ انسان کی بہترین فتح یہ ہے کہ وہ اپنی ضمیر کے مطابق صحیح فیصلہ کر رہا ہو، اگرچہ ساری دنیا اس کی مخالف ہو۔ چنانچہ میں نے وہی فیصلہ کیا، اور اسی فیصلہ کے نتیجے میں جنوبی افریقہ پرامن طور پر آزاد ہوا۔ ایک طرف روڈیشیا تھا جو آج زمباوے کہلاتا ہے، جہاں آزادی سے پہلے خون کی ندیاں بہہ گئیں، اور جب آزادی لوگوں کو حاصل ہوئی تو آزادی کی خوشی منانے والے کم تھے، اور اپنے مرنے والوں پر ماتم کرنے والے زیادہ تھے، لیکن جنوبی افریقہ پر وہ وقت آ گیا جس میں پرامن طریقہ پر آزادی حاصل کی، اور پورا جنوبی افریقہ اس طور پر آزاد ہوا کہ پوری تاریخ میں ایسی آزادی کی مثال نہیں ملتی۔

میں یہ عرض یہ کر رہا تھا کہ جو عمل کرو وہ اللہ کیلئے ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے ہو، آج کی سیاست میں، آج کی تحریکات میں جو بنیادی عنصر آ گیا ہے، وہ یہ کہ عوام کو راضی کیا جائے، لوگوں کو خوش کیا جائے، اگر ہم یہ نہیں کریں گے تو ہماری قوم ہم سے باغی ہو جائے گی، ہماری قوم ہم سے ناراض ہو جائے گی، ہمارا اعتماد دلوں سے مٹ جائے گا، یہ خیال جو آ رہا ہے، یہ اخلاص کے منافی ہے۔ یہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے منافی ہے، اور اگر کرنا ہے تو وہ کام کرو جو اللہ کو راضی کرنے والا ہو۔

میں ایک عرصہ تک اسلامی نظریاتی کونسل میں رہا، وفاقی شرعی عدالت میں بھی رہا، اور مختلف مراحل پر بہت سے ایسے مناظر اور مواقع سامنے آئے کہ لوگوں نے مجھے آکر کہا کہ آپ جو کام کرنے جارہے ہو، قوم کو کیا جواب دوگے؟ اور اگر یہ کام کرلو تو قوم کو جواب دے سکو گے؟ تو میں نے عرض کیا کہ بھائی! مجھے الحمدللہ اس بات کی فکر نہیں ہے کہ قوم کو کیا جواب دوں گا، لیکن یہ فکر ضرور ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔ اگر قوم کو جواب دینے کے لئے مجھے جواب مل گیا، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو جواب دینے کے لئے مجھے جواب نہ ملا تو کیا تم مجھ کو گارنٹی دیتے ہو کہ تم مجھے دوزخ سے بچالو گے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضگی سے بچالو گے؟ تو میرے بھائیو! آج کے ماحول میں یہ بات بہت اہم ہے کہ انسان جو کام کرے، انسان وہ اپنے ضمیر کے مطابق فیما بینہ و بین اللہ۔ یہ دیکھئے کہ آیا وہ شریعت وسنت کے دائرے میں ہے یا نہیں، یاد رکھیں کہ اعمال میں وزن دو چیزوں سے پیدا ہوتا ہے، ایک صدق سے کہ طریقہ صحیح ہو، شریعت وسنت کے مطابق ہو، اور دوسرا یہ کہ اخلاص کے ساتھ ہو، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنا مقصود ہو، کسی اور کو راضی کرنا مقصود نہ ہو، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں یہ باب قائم کیا، اور درحقیقت اگر غور کرو تو اس سے اشارہ بخاری کی سب سے پہلی حدیث ”انما الاعمال بالنیات و انما لامر مانوی“ کی طرف ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو صدق واخلاص کی دولت سے مالا مال

فرمائے، اور اس کے نتیجے میں ہمارے اعمال میں وزن پیدا فرمائے۔ آمین

تشریح کلمات

آگے فرماتے ہیں، حضرت مجاہد نے فرمایا کہ

اَلْقِسْطَاسُ

اَلْعَدْلُ فِي الرُّوْمِي امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق قرآن کریم کے لفظ کو ترجمۃ الباب میں ذکر کیا، رومی زبان میں قِسطاس عدل کو کہتے ہیں، وَيُقَالُ اَلْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِط، باب افعال سے ہے کہ اَقْسَطَ يُقْسِطُ اِقْسَاطًا انصاف کرنا، اور مجرد میں قَسَطَ يَقْسِطُ کے معنی ظلم کے ہوتے ہیں۔

دو محبوب کلمے

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث روایت فرمائی ہے:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

کہ دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو محبوب ہیں، رحمٰن اللہ جل جلالہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہیں، رحمٰن کا انتخاب اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب رحمٰن کو محبوب ہیں تو جو شخص پڑھے گا وہ رحمٰن کو محبوب ہوگا، یعنی اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں گی، چونکہ رحمٰن کو محبوب ہیں تو کسی کو خیال ہو سکتا تھا کہ پھر تو وہ مشکل قسم

کلمات ہوں گے، فرمایا نہیں ’’ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ‘‘ زبان پر ادائیگی کی اعتبار سے بڑے ہلکے ہیں، ان کے ادا کرنے میں کوئی دشواری کوئی مشقت نہیں ہے، جب ہلکے ہیں تو پھر شاید میزان عمل میں بھی ہلکے ہوں گے، فرمایا نہیں ’’ ثقیلتان فی المیزان ‘‘ میزان عمل میں ان کا وزن بہت زیادہ ہے، اور اس سے استدلال کیا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر کہ اعمال واقوال کا بذات خود قیامت کے دن وزن کیا جائے گا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ’’ ثَقِیْلٌ فِی الْمِیْزَانِ ‘‘ قرار دیا ہے، اور جب تک کوئی ضرورت نہ ہو تو حقیقت ہی مراد لی جائے گی، مجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا، لہٰذا حقیقی معنی ہی مراد ہیں کہ بذات خود اعمال کا وزن ہوگا، یہی اہل سنت کا مسلک ہے کہ بذات خود اعمال ہی کا وزن ہوگا، اقوال ہی کا وزن ہوگا، اور پھر ان کلمات کی تشریح فرمائی کہ وہ کلمات کیا ہیں ’’ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ ‘‘ یہ دو کلمے ہیں، پہلا کلمہ ہے ’’ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ ‘‘ اگر اس کا ترجمہ کریں تو معنی یہ ہیں کہ میں اس بات کا اعلان واقرار کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، یہ تنزہ کا کلمہ ہے، تو سبحان اللہ کے معنی یہ کہ وہ ہر عیب سے پاک ہے، اور وبحمدہ کے معنی یہ ہیں کہ سارے اوصاف کمال اس میں جمع ہیں، کمالات کی وہ جامع ہے، چونکہ وہ ہر عیب سے پاک ہے، اور کمالات کی جامع ہے، لہٰذا تمام تعریفیں اسکی ہیں۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی قدس اللہ سرہ ان کلمات کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ سبحان اللہ وبحمدہ جو ہے، یہ اللہ جل جلالہ کی شان محبوبیت کا مظہر ہے، جو ذات بے عیب ہو، اور جس میں سارے کمالات پائے جاتے ہوں، وہ

خشیت اللہ را نشانِ علم داں
آیت یخشی اللہ در قرآن بخواں

کہ یہ خشیت ہی علم کی اصل علامت ہے، علم کا اصل فائدہ ہے، بہر حال؛ یہ دو کلمے جن پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کو ختم کیا ہے، یہ دو کلمے اللہ تبارک و تعالیٰ کی خشیت پیدا کرنے والے ہیں، اور ساتھ ساتھ اس سے یہ پیغام بھی مل گیا کہ اس کتاب کے ختم کرنے پر تمہاری ضابطے کی تحصیل علم کی تکمیل تو ہوگئی، لیکن اس کا جو اصل مقصود ہے وہ خشیت اللہ ہے، اور وہ اب تک حاصل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ وہ خشیت نصیب فرمائے۔ آمین

فراغت پانے والے طلبہ کی ذمہ داریاں

اب آخر میں چند گزارشات ہیں جو اپنے عزیز طلبہ سے کرنی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس سال تقریباً ۴۰۰ طلباء دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے درس نظامی کا نصاب پورا کر رہے ہیں، جن کو اصطلاح میں فارغ التحصیل ہونا کہتے ہیں، اگرچہ مجھے یہ لفظ پسند نہیں۔ اور ۳۶ طالبات ہیں، جنہوں نے دورۂ حدیث کی تکمیل کی ہے، اور عالم کا نصاب پورا کیا ہے، الحمد للہ قرأت کے شعبہ میں بھی ۱۶ طالب علم ہیں، جنہوں نے قرأت کی تکمیل کی ہے، اور ۳۰ طالب علم ہیں جنہوں نے تجوید کا نصاب مکمل کیا ہے۔ اللہ جل جلالہ کا فضل وکرم ہے اور اس کا انعام ہے کہ اس نے ان طلباء کو منزل تک پہنچایا، اور وہ اساتذہ قابل صد مبارکباد ہیں جنہوں نے دن رات محنت کر کے ان طلباء کو اس منزل تک پہنچانے کی خدمت

انجام دی، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے، آمین۔ آج کے اس درس کے بعد صرف دورۂ حدیث کا نہیں، بلکہ دارالعلوم کے تمام تعلیمی شعبوں کا تعلیمی سال انتہاء کو پہنچ گیا ہے، اور اب تعطیلات شروع ہونے والی ہیں، ہمارے دارالعلوم کی جو رونق ہے، وہ طلباء کے دم سے ہے، اور کچھ دنوں میں امتحان ہو جائے گا، اور یہ طلبہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے۔ خاص طور سے وہ طلباء جنہوں اس سال درس نظامی کی تکمیل کی ہے، ان سے چند ضروری گزارشات کرنی ہیں، سب سے پہلے تو ان کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں، ان کے والدین، ان کے اساتذہ اور ان کے گھر والوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو منزل تک پہنچایا، لیکن اس مبارکباد کے ساتھ ساتھ یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ یہ دستار، جس کو آج دستار فضیلت کہا جاتا ہے، آج آپ کے سروں پر رکھی جانے والی ہے، جہاں یہ ایک خوش نصیبی کا تاج ہے، جو آپ کے سروں پر رکھا جا رہا ہے، وہاں یہ ایک بہت بڑا بوجھ بھی ہے، بہت بڑی ذمہ داری بھی ہے، بہت بڑی مسؤلیت کا بار گراں بھی ہے، جو آپ کے سروں پر رکھا جا رہا ہے، آج تک آپ کے اوپر کوئی ذمہ داری عائد نہیں تھی، آپ پڑھنے میں مشغول تھے، آپ کی ذمہ داری درس یاد کرنے کی حد تک محدود تھی، عملی زندگی میں آپ سے کوئی پوچھنے والا نہیں تھا کہ آپ کو کیا کرنا ہے، اور کیا نہیں کرنا، لیکن جب یہاں سے آپ نکلیں گے تو اب ذمہ داریوں کا بہت بڑا بوجھ آپ کے سر پر آئے گا، یہ ذمہ داری یوں تو ہر دور میں بہت بڑی ذمہ داری ہے، لیکن ہمارے اس دور میں جو پر آشوب ہے، فتنوں سے بھرا ہوا دور ہے، اس میں یہ ذمہ داری اور یہ مسؤلیت اور زیادہ اہم اور زیادہ بھاری ہو جاتی ہے،

سب سے پہلی ذمہ داری جو آپ کے اوپر عائد ہو رہی ہے، وہ یہ ہے کہ جو کچھ تعلیمات آپ نے یہاں رہ کر حاصل کی ہیں، ان پر کتنا عمل آپ کی عملی زندگی میں اور آپ کے کردار میں ظاہر ہوا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سنتیں آپ نے پڑھی ہیں، وہ کس حد تک آپ کی زندگی میں شامل ہوئی ہیں، اور آپ کے کردار پر اثر انداز ہوئی ہیں، آپ کے گھر والے جو سالہا سال سے آپ کے اس دن کے منتظر تھے کہ آپ فارغ التحصیل ہو کر ان کے پاس پہنچیں، ان کو شاید آپ کی علمی تحقیقات سے اتنی غرض نہ ہو، لیکن وہ یہ ضرور دیکھیں گے کہ آپ کے واپس آنے کے بعد آپ کے اخلاق میں، آپ کے کردار میں اور آپ کے اعمال میں کوئی فرق واقع ہوا یا نہیں، کیا ماں باپ کے ساتھ آپ کا جو پہلے برتاؤ تھا، اب بھی وہی ہے، یا ماں کے ساتھ حسن سلوک میں اضافہ ہوا ہے، بہن بھائیوں کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا جو تقاضہ ہے، وہ آیا آپ کی زندگی میں پورا ہو رہا ہے یا نہیں، یہ چیزیں ہیں جو قدم قدم پر جانچی جائیں گی، آپ گھر سے باہر نکلیں گے تو آپ کو اس نظر سے تولا جائے گا کہ جس ادارے سے آپ تعلیم حاصل کر کے آئے ہو، اور جو تعلیم حاصل کر کے آئے ہو، وہ آپ کے کردار میں منعکس ہے کہ نہیں، آپ کے اخلاق میں علم کے ساتھ حلم پیدا ہوا کہ نہیں، خشیت اللہ کے آثار نظر آتے ہیں کہ نہیں، آپ کی عبادات پہلے سے بہتر ہوئیں کہ نہیں، آپ کے معاملات، آپ کے اخلاق اور آپ کی بصیرت پہلے سے بہتر ہوئی کہ نہیں، یہ چیز آپ کے قدم قدم پر جانچی جائے گی، جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ لوگ جانچیں یا نہ جانچیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جانچنے والا ہر قدم پر مقرر ہے، ایک وہ شخص ہے جو جاہل

ہو، جس کے پاس علم کی دولت نہ ہو، اگر وہ کسی بدعملی کا ارتکاب کرتا ہے تو سزا تو اس کو بھی ہے، لیکن اللہ بچائے کہ جس کو علم کی دولت نصیب ہے وہ اگر اس عمل کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا بھی زیادہ ہے، اور اس کا وبال بھی شدید تر ہے، آپ نے آیت کریمہ پڑھی ہوگی :

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ (الاحزاب:۳۲)

اور فرمایا کہ :

مَنْ يَّاتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ (الاحزاب:۳۰)

ازواج مطہرات سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تم نے کسی غلط کاری کا ارتکاب کیا تو تمہارے اوپر عذاب بھی دوگنا ہوگا، اور اس آیت کے تحت مفسرین کرام نے یہ لکھا ہے کہ صرف ازواج مطہرات کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جس شخص کو بھی علم کے مواقع میسر ہوں، یا ایسا ماحول میسر ہو جس ماحول کے اندر اس کو بہتر تربیت حاصل کرنی چاہیے تھی، اس کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اگر اب وہ کسی بدعملی کا شکار ہوگا تو اس کی سزا بھی اللہ جل جلالہ کے ہاں دگنی ہے، وبال بھی اس کا دوہرا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل و کرم سے آپ سب کو اور ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ بہرحال؛ قدم قدم پر اس بات کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں آپ کی جو کچھ بھی نقل و حرکت ہو، وہ اس علم کے مطابق ہو جو آپ نے یہاں پڑھا ہے۔ پھر آپ کی ذمہ داری صرف اپنے عمل کی حد تک محدود نہیں، بلکہ جو کچھ علم آپ نے حاصل کیا ہے، اس کو دوسروں تک پہنچانے اور

پھیلانے کی ذمہ داری بھی علماء کرام پر عائد ہوتی ہے۔

لہٰذا تبلیغ ودعوت اور دین کی نشرواشاعت، اس کی مسئولیت بھی آپ کے سر پر ہے، یہ جو دستار آپ کے سر پر رکھی جارہی ہے اس کی مسئولیت کا بوجھ بھی آپ کے سر پر ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے میرے بھائیو! کہ آج جس ماحول میں آپ میدان عمل میں اتر رہے ہو، یہ بڑا فتنوں کا دور ہے، بڑا پرآشوب دور ہے، یہ ایسا دور ہے کہ جس میں آپ کو دنیا نے سب سے بڑا نشانہ بنایا ہوا ہے، اس بات اندازہ اس بات سے بھی ہوگا کہ پوری دنیا میں مدارس کے خلاف ایک تحریک جاری ہے، اور اب دشمن نے اس بات کا ادراک کیا ہے کہ یہ دینی مدارس ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، بے چارے یہ چٹائی پر بیٹھ کر قال اللہ وقال الرسول کرنے والے پہلے لوگوں کی نگاہوں میں نہیں آتے تھے، جس کی وجہ سے چپکے چپکے کام ہورہا تھا، اور الحمدللہ بہت ساری خامیوں کے باوجود یہاں سے جو لوگ پیدا ہوتے تھے، اللہ کے فضل وکرم سے ہر میدان میں دین کی خدمت کی قیادت ان کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ اور ان کے ذریعہ دین کا کلمہ پھیل رہا تھا، مجھے تو الحمدللہ ساری دنیا کے ہر گوشے میں جانے کا موقع ملا ہے، جہاں کہیں دین کا کوئی آواز نظر آتا ہے، اگر اس کے پیچھے دیکھو تو انہی دینی مدارس کے یہ سادہ فارغ التحصیلوں میں سے کوئی نظر آئے گا، جس نے وہاں پر دین کا آوازہ بلند کیا، میں آپ کو کیا مثالیں پیش کروں، وقت نہیں ہے، بے شمار دنیا کے ان گوشوں میں، دورافتادہ اور دور دراز کے گوشے جہاں کسی آدمی کے پہنچنے کی توقع نہیں وہاں پر دیکھا کہ لوگ بیٹھیں ہیں اور قرآن شریف پڑھ رہے ہیں، اور دین کی بات ہورہی ہے، پوچھا کہ بھائی یہ کام کون کررہا ہے،

جواب دیا کہ وہ ایک صاحب ہیں، پوچھا کون صاحب ہیں؟ جواب ملا کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے ایک استاذ تھے، ان سے پڑھ کر یہاں پر انہوں نے یہ سلسلہ جاری کیا، تو دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں دارالعلوم دیوبند کے بالواسطہ یا بلا واسطہ فیض یافتگان نور شریعت نہ پھیلا رہے ہوں۔ الحمد للہ یہ بات پہلے لوگوں کی نگاہوں میں نہیں تھی، لیکن اس دشمن نے اس بات کا پورا احساس کرلیا ہے کہ دین نہیں مٹایا جاسکتا، جب تک یہ چٹائی پر بیٹھنے والے ملاّ موجود ہیں، اور اس کو اقبال مرحوم نے آج سے نصف صدی سے بھی پہلے ساٹھ پینسٹھ سال پہلے انہوں نے دشمنان اسلام کی زبان سے یہ بات کہی تھی کہ:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلا کو ان کے کوہ د دمن سے نکال دو

یہ فکر دشمن کو پیدا ہوئی ہے، اور اس کے نتیجے میں وہ دینی مدارس کو ختم کرنے کے درپے ہے، طرح طرح کے طعنے، طرح طرح کے الزامات ان مدارس کے اوپر لگائے جارہے ہیں، ان مدارس کے طلباء کے اوپر لگائے جارہے ہیں، کہا گیا کہ بھائی: یہ تو بس نماز روزہ کو جانتے ہیں، اور دنیا سے کسی بات سے ان کا کوئی تعلق نہیں، دنیا کی کسی بات سے واقف نہیں ہیں، ان کے نصاب میں تبدیلی ہونی چاہیے، ان کے نصاب میں نئی چیزیں داخل ہونی چاہئیں...... اچھا نئی چیزیں داخل کردیں، دینی مدارس کے رہنماؤں نے سوچ سمجھ کر، جو ہمارے مزاج کے مطابق

تھیں، وہ چیزیں داخل کردیں، اب کیا ہے؟ اب یہ کہ یہ دہشت گرد ہیں، یہ دہشت گردی پھیلا رہے ہیں، اور دہشت گرد ہونے کے ناطے گردن زدنی ہیں، اچھا بھئی آپ دورہ کرکے دیکھ لو، مدارس میں دہشت گردی کہاں ہو رہی ہے، اول سے لے کر آخر تک خوردبین لگا لگا کر دیکھ لیا، دورے کروالئے، اور سروے کرائے گئے، یہاں تک کہ حکام نے بھی کہہ دیا کہ بھائی کوئی دہشت گردی کا سراغ نہیں ملا ان مدارس میں۔ اب کیا ہے؟ اب یہ فکر ہے کہ یہ جو ہم نے دہشت گرد کہا تھا اب ثابت کرنا چاہیے کہ یہ واقعی دہشت گرد ہیں، اور اس کے لئے سازشیں ہو رہی ہیں، اس کے لئے فتنے کھڑے کئے جارہے ہیں، تاکہ خود اپنے عمل سے ثابت کردیں کہ دہشت گرد ہیں۔ تو میرے بھائیو! یہ وہ زمانہ ہے، یہ وہ پرفتن دور ہے کہ جس میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ کونسی حرکت کا سرا کس قوت کے ہاتھ میں ہے، کون اس کی ڈوری ہلا رہا ہے، یہاں کھڑے کھڑے آدمی بک جاتا ہے، اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ میں بک گیا، یہاں پر کھڑے کھڑے وہ دشمنوں کے ہاتھ میں استعمال ہو جاتا ہے، اس کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میں استعمال ہو گیا، یہ ایسا پرفتن دور ہے، اس میں بڑے پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے، اس دور میں بڑی ہوشمندی اور بڑی دانشمندی درکار ہے، یہ جذبات کی رو میں بہنے کا زمانہ نہیں ہے، نہ ناخن تدبیر سے ان گرہوں کو کھولنے کا زمانہ ہے، بلکہ اس میں دانشمندی کے ساتھ، حقیقت پسندی کے ساتھ یہ سوچ کر فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے کہ امت اسلامیہ کے لئے کون سا راستہ زیادہ بہتر ہے۔

دیکھو اللہ نے مجھے دنیا بہت دکھائی ہے، اور عالم اسلام کا کوئی قابل ذکر خطہ

ایسا نہیں جسے میں نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو، اور اس کی تاریخ کا میں نے مطالعہ نہ کیا ہو، ماضی قریب میں مصر، شام، عراق، الجزائر اور تونس یہ جتنے بڑے بڑے ممالک تھے، ان سب میں دشمنوں کا طریقہ واردات یہ ہوا کہ وہاں پر جوش جذباتی تحریکیں کھڑی کردی گئیں، انہوں نے کہا کہ ہم شریعت نافذ کرنے کے مدعی ہیں، اور بزور شمشیر کریں گے، قوت سے کریں گے، تشدد سے کریں گے، اور یہ تحریکیں جس کسی حد تک پہنچتی تھیں تو انہیں سختی سے کچل دیا گیا کہ اس کے بعد برسوں تک آواز نہیں آئی...... مدرسے بے نشان ہوگئے، تعلیمی ادارے جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لینے والے تھے سب ختم ہوگئے۔

مصر جیسا ملک، جہاں جامعہ ازہر جس کی صدیوں پہلے کی روایات ہیں، اور خدمات ہیں، جس کو ایسا تہس نہس کیا گیا کہ آج وہاں سے سود کے حلال ہونے کا فتویٰ جاری کیا جا رہا ہے، اور طرح طرح کے فسق و فجور کے فتاویٰ جاری ہوتے ہیں، جب فرانس میں بل پاس ہوا کہ عورتیں اسکارف نہیں پہن سکتیں، تو شیخ الازہر کا فتویٰ جاری ہوا کہ عورتوں کو اسکارف اتار دینا چاہیے، اور یہ جو بینکوں کا سود ہے وہ حلال ہے، اور جو دینی مدارس تھے، ان کا تو تیر مارا جا چکا ہے، شام جا کر دیکھو، حما کے شہر میں ہزارہا علماء کو ایک حملہ کے اندر ختم کردیا گیا، اور مدرسے قائم تھے، فنا کردئے گئے، عراق جا کر دیکھو، بعث پارٹی کے آنے کے بعد، جبکہ بعث پارٹی کے آنے سے پہلے عراق کے چپے چپے میں دینی مدارس قائم تھے، اور میں جب عراق گیا وہاں ایک شیخ تھے، الشیخ عبدالکریم المدرس ان سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے درسی کتب کے بارے میں پوچھا تو میں نے درس نظامی میں داخل کتب

کا نام لیا تو وہ رو پڑے کہ ان کتابوں کو ہم پڑھا پڑھایا کرتے تھے، لیکن آج اس کا نام ونشان مٹادیا گیا، خدا کے لئے آپ لوگ اس کا تعاقب کریں، پورے عالم میں یہ کیفیت آرہی ہے، دیکھنے کی بات یہ نہیں کہ کس جذباتی نعرے میں کتنا جوش وخروش ہے، اور اس میں کتنی جذباتی کشش ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس ماحول میں جس میں ہم جی رہے ہیں، اس میں ہمارے لئے تحفظ کا اور اپنے ان دینی اداروں کو بچانے کا اور دینی مدارس میں تربیت کو جاری رکھنے کا، اور قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداؤں کو باقی رکھنے کا راستہ کیا ہے، اگر آج ہم نے اس بات کو نہ سمجھا یقین رکھو کہ ہم بازی ہار جائیں گے، مار کھائیں گے، اگر ہم نے ہر جذباتی نعرے کے پیچھے چلنے کی عادت نہ چھوڑی، اور ہر جذباتی نعرے کے اوپر لبیک کہنے کا وطیرہ نہ چھوڑا، ہم جلد ہار جائیں گے، اور اس ملک کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے اکابر نے ان دینی مدارس کو جو دین کی بنیاد ہے، اور دین کے کلمہ کی بنیاد ہے، انہوں نے جس طرح محفوظ رکھا ہے، ہم اس ورثہ کو ضائع کردیں گے، لہٰذا یہ ساری باتیں مدارس کو براہ راست دیکھے بغیر صرف پروپیگنڈے کے لئے کی جارہی تھیں، دینی مدارس کے اکابر نے پہلے ہی سے نصاب پر نظر ثانی کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا، اور جو مضامین علماء کے لئے ضروری اور ان کے مزاج کے مطابق تھے، وہ ان مدارس کے نصاب میں داخل کر لئے تھے، لہٰذا اعتراض کرنے والوں سے کہا گیا کہ آؤ، اور ہمارے مدارس کا جائزہ لو، یہاں تمام ضروری مضامین پڑھائے جارہے ہیں، جب یہ پروپیگنڈا نہ چلا تو کہا گیا کہ دینی مدارس میں دہشت گرد پیدا کر رہے ہیں، ان میں دہشت گردی کی تربیت دی جاتی

مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرو، شیطان کا ایک بہت بڑا دھوکہ اور بہت بڑا جال یہ ہوتا ہے کہ وہ نوجوانوں کو جن کے ذہن کچے ہوتے ہیں، ناتربیت یافتہ، ناتجربہ کار ہوتے ہیں، جذبات سے بھرپور ہوتے ہیں، ان کو اپنے بڑوں سے کاٹ دیتا ہے، اور ان کا رشتہ اکابر سے توڑ دیتا ہے، پھر اس کے نتیجے میں وہ بھیڑیا ان بھیڑوں کو جب چاہے ہڑپ کرلے، واحد راستہ یہ ہے کہ اپنے بڑوں پر اعتماد رکھو، یا تو کسی کو اپنا بڑا بناؤ نہیں، اور جب بنایا ہے تو اس پر اعتماد کرو، اور اس اعتماد کی بنیاد پر اپنے قول وفعل کا فیصلہ کرو، ورنہ یہ جذبات نہ جانے تمہیں کس بھیڑئے کے منہ میں لے جائیں گے، اور کیا انجام پیدا کریں گے، لہٰذا بڑوں کی سرپرستی میں، بڑوں کی نگرانی میں، بڑوں کی رہنمائی میں جو کام کرو، ان کے مشورے سے کرو، فرمایا جب تک ضابطے کے بڑے موجود ہوں، ضابطے کے بڑے اس لئے کہا کہ حقیقت میں بڑا کون ہے، اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا ہے، اور جب ضابطے کے بڑے نہ رہیں تو اپنے برابر والوں سے مشورہ کرو، اور شذوذ کا راستہ اختیار نہ کرو، یہ نصیحت عام دنوں میں بھی اہم تھی، لیکن آج کے دن نے اس کو مؤکد بنادیا، جب باہر نکلو گے تو طرح طرح کے نعرے سنائی دیں گے، طرح طرح کی دعوتیں آئیں گی، ان میں بھٹک جانے کا اندیشہ بھی ہے، لہٰذا اپنے بڑوں سے رابطہ رکھو، اپنے بڑوں سے مشورہ کرتے رہو، اپنے لئے رہنمائی حاصل کرتے رہو، انشاء اللہ صلاح کا فیصلہ ہوگا۔ ان چند گزارشات پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

موسیقی

اور ٹی وی چینلز کا فساد

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مفتی محمد عبداللہ میمن
استاد جامعہ دار العلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبرا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم

وقت خطاب : قبل از نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موسیقی اور ٹی وی چینلز کا فساد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ! عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِلَى السُّوْقِ، فَمَرَّ عَلٰى جَارِيَةٍ صَغِيْرَةٍ تُغَنِّيْ، فَقَالَ: اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَوْ تَرَكَ اَحَدًا لَتَرَكَ هٰذِهٖ. اَوْ كَمَا قَالَ.

سلام پھیلانے کے لئے بازار جانا

حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ایک تابعی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بازار کی طرف نکلا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ ویسے تو ضرورت کے

وقت بازار تشریف لے جایا کرتے تھے، لیکن بعض اوقات صرف اس غرض سے بازار کی طرف جاتے تھے کہ جو بھی بازار میں اور راستے میں ملے گا، میں اس کو سلام کروں گا، اور سلام کرنے کی فضیلت حاصل کروں گا۔

بازار جانا تقویٰ کے منافی نہیں

اس سے پتہ چلا کہ اگر کسی حاجت اور ضرورت کے تحت بازار جانا ہو، مثلاً کوئی چیز خریدنی ہے، تو یہ بازار جانا تقویٰ کے، یا نیکی کے، یا عالم ہونے کے، اور اللہ والا ہونے کے منافی نہیں، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب اللہ والے بن گئے، یا عالم بن گئے، یا متقی اور پرہیزگار بن گئے تو اب بازار جانا ہمارے لئے عیب کی بات ہے، اور بازار جانا ہماری شان کے خلاف ہے، بزرگوں نے فرمایا کہ یہ خیال تکبر ہے، اور انبیاء علیہم السلام کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے کہ وہ بازار جایا کرتے تھے، اور کافر لوگ انبیاء علیہم السلام پر یہی اعتراض کیا کرتے تھے کہ:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ (الفرقان: ۷)

یعنی یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے، اور بازاروں میں چلتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بازاروں میں جایا کرتے تھے، اسی وجہ سے کفار کو یہ طعنہ دینے کا موقع ملا کہ یہ کیسا رسول ہے، جو بازاروں میں بھی جاتا ہے، ان کے ذہنوں میں نبی کے بارے میں تصور یہ تھا کہ جب کوئی اللہ والا ہے تو اس کو گھر کے اندر بیٹھنا چاہیے، اور اس کو تو ہر وقت مصلے پر بیٹھا ہوا ہونا چاہیے، اور دنیا کے کام دھندوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بازار تشریف لے جانا

جبکہ خود نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت کے وقت بازار تشریف لے جاتے تھے، اور اپنی خریداری خود کر لیا کرتے تھے، اور بعض اوقات اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو محض دیکھنے کے لئے بازار تشریف لے جاتے تھے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی تھے حضرت اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وہ سیاہ فام تھے، اور کسی دیہات میں رہتے تھے، اور اپنا سامان فروخت کرنے کے لئے مدینہ منورہ آیا کرتے تھے، اور بازار میں جاکر بیچتے تھے، غریب آدمی تھے، اس لئے لوگوں کی نظروں میں ان کی خاص وقعت نہیں تھی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ محبت کرتے تھے، اور حضور ان سے محبت کرتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہمارا دیہاتی ہے، اور ہم ان کے شہری ہیں۔

اللہ کے نزدیک تمہاری قیمت کم نہیں

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ صحابی بازار میں کھڑے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے سے گئے، اور جاکر ان کی کولی بھر لی، یعنی پیچھے سے جاکر کمر سے ان کو لپٹا لیا، اور پکڑ لیا، اور پھر آپ نے آواز لگائی کہ ''مَنْ یَشْتَرِیْ هٰذَا الْعَبْدِ مِنِّیْ؟'' کوئی ہے جو مجھ سے یہ غلام خرید لے، انہوں نے آواز سے پہچان لیا کہ مجھے پیچھے سے پکڑنے والے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، چنانچہ وہ اپنے جسم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

سے اور زیادہ ملانے کی کوشش کرنے لگے، اور فرمانے لگے کہ یا رسول اللہ! اگر آپ مجھے فروخت کریں گے تو آپ کو بہت کم قیمت ملے گی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَلٰكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ

''یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری قیمت کم نہیں ہے'' بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری قیمت بہت زیادہ ہے، اب وہ شخص جو دیہات سے آیا ہے، غریب ہے، اس کو کوئی پہچاننے والا نہیں ہے، کوئی جاننے والا نہیں، کوئی اس کے ساتھ عزت کا برتاؤ کرنے والا نہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دلداری فرما رہے ہیں، اور اس کے دلداری کے لئے بازار کے اندر یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ اس کی بولی لگا رہے ہیں۔

ہم بازار جانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں

ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی عظمت کی اعلیٰ دلیل ہے کہ بازار میں تشریف لے جانا، اور بازار جا کر اس دیہاتی کے ساتھ ایسا معاملہ فرمانا، اور یہ آواز لگانا کہ کون ہے جو اس غلام کو مجھ سے خرید لے۔ اگر کوئی پیر صاحب ہوتے تو اول تو بازار جانے سے شرمائیں کہ بازار جانا تو ہماری شان کے خلاف ہے، اور پھر اس طرح ایک معمولی آدمی کو پیچھے سے جا کر پکڑ لینا، اور پھر آواز لگانا، یہ سب باتیں آج کل کے پیر صاحبان کی شان کے خلاف ہیں، لیکن حقیقت میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا طریقہ ہے، وہ یہ ہے کہ

انسان خواہ علم وتقویٰ کے کتنے بھی اونچے مقام پر پہنچ جائے، لیکن وہ انسانوں کے ساتھ گھلا ملا رہے، اپنی کوئی شان الگ سے نہ بنائے، اور لوگوں کے ساتھ عام آدمیوں کی طرح رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے اندر کے معمولات

حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ کسی صحابی نے ان سے پوچھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف لاتے ہیں تو آپ کے معمولات کیا ہوتے ہیں؟ صحابہ نے یہ سوال اس خیال سے کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو افضل الانبیاء والمرسلین ہیں، اس لئے گھر میں تشریف لے جانے کے بعد نہ جانے کتنی عبادت کرتے ہوں گے، کتنے ذکر کرتے ہوں گے، لہٰذا اس کی تفصیل معلوم ہونی چاہیے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر تشریف لاتے ہیں، وہ ایسے ہی ہوتے ہیں، جیسے تم اپنے گھر میں ہوتے ہو، اور جس طرح تم اپنے گھر کے کام کرتے ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے گھر کے کام کرتے ہیں، البتہ جب حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کی آواز کان میں آجاتی ہے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اس طرح تشریف لے جاتے ہیں جیسے آپ ہمیں پہچانتے بھی نہیں۔

بعض صحابہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے بارے میں سوال

یہاں تک کہ بعض صحابہ کرام نے جا کر ازواج مطہرات سے پوچھا کہ آپ چونکہ ہر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتی ہیں، آپ ہمیں بتائیں کہ گھر

میں آپ کے اعمال کیا ہوتے ہیں؟ ان صحابہ کرام کے پیش نظر یہ تھا کہ آپ کی عبادت کے اعمال ان ازواج مطہرات کے ذریعہ معلوم ہو جائیں گے، جب ازواج مطہرات نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال بتائے تو ان صحابہ کرام نے ان اعمال کو بہت کم سمجھا، اور آپس میں باتیں کرنے لگے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے معصوم بنایا ہے، اور اگر کبھی آپ سے کوئی بھول چوک بھی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا ہے کہ آپ کی اگلی پچھلی سب بھول چوک معاف ہے، اس لئے آپ کو اتنی زیادہ عبادت کی ضرورت نہیں، لیکن ہم چونکہ عام آدمی ہیں، ہم سے گناہ بھی سرزد ہوتے ہیں، لہٰذا ہمیں آپ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے، پھر ان میں سے ایک صحابی نے کہا کہ اب آئندہ میں ساری زندگی روزہ رکھوں گا، کبھی افطار نہیں کروں گا، دوسرے صحابی نے کہا کہ میں آئندہ ساری رات اللہ کی عبادت کروں گا، اور نمازیں پڑھا کروں گا، اور کبھی بھی رات کو نہیں سوؤں گا، تیسرے صحابی نے کہا کہ میں کبھی نکاح نہیں کروں گا، اس لئے کہ کہیں بیوی بچوں کے مشغلے میں لگ کر اللہ کی عبادت سے غافل نہ ہو جاؤں۔

جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں

اتنے میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے، آپ کو پتہ چلا کہ ان حضرات صحابہ نے یہ ارادے کئے ہیں، ایک نے یہ ارادہ کیا کہ میں ساری عمر روزے رکھوں گا، دوسرے نے یہ ارادہ کیا کہ میں ساری زندگی رات

کو نہیں سوؤں گا، تیسرے نے یہ ارادہ کیا کہ میں کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے مقابلے میں سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کا تقوی سب سے زیادہ اختیار کرنے والا ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی سب سے زیادہ مجھے حاصل ہے، اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں، اور افطار بھی کرتا ہوں، اور رات کو عبادت بھی کرتا ہوں، اور رات کو سوتا بھی ہوں، اور نکاح بھی کرتا ہوں، یہی میری سنت ہے ''فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ'' جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔ لہٰذا تم لوگوں نے جو ارادے کئے ہیں، وہ غلط ہیں اور میری جو سنت ہے تم لوگ اس کو اختیار کرو۔

عام آدمی کی طرح زندگی گزارو

اس کے ذریعہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ انسان علم کے، تقویٰ کے، فضل کے چاہے کتنے بھی اعلیٰ مقام پر پہنچ جائے، اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو عام مسلمانوں کے ساتھ گھلا ملا رکھے، اپنی کوئی خاص شان نہ بنائے، اپنا الگ کوئی رتبہ قائم نہ کرے، بلکہ لوگوں کے ساتھ مل کر رہے، سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی شان بنانے کی کوشش کرے، اس کو ہمارے طریق کی ہوا بھی نہیں لگی، لہٰذا عام آدمی کی طرح زندگی گزارو۔

حضرت سلیمان اعمش اور ان کے شاگرد

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہوا ایک اور واقعہ یاد آیا، یہ بھی بڑا سبق آموز واقعہ ہے، ایک مشہور محدث گزرے ہیں، حضرت سلیمان اعمش رحمۃ

اللہ علیہ، یہ بڑے اونچے درجے کے محدث ہیں، اور حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں، عربی میں ''اعمش'' اس کو کہا جاتا ہے، جس کی آنکھ چندھی ہو، ان کی آنکھ چندھی تھی، پلکیں گری ہوئیں تھیں، ایسا شخص جب روشنی کے سامنے آتا ہے تو اس کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، حضرت سلیمان اعمشؒ ایسے ہی تھے، اتفاق سے ایک شاگرد ان کے پاس آیا، جو ٹانگ سے معذور تھا، لنگڑا تھا، شاگرد بھی دو قسم کے ہوتے ہیں، بعض شاگرد وہ ہوتے ہیں جنہوں نے استاذ سے سبق پڑھا، اس کے بعد اپنے کام میں مشغول ہو گئے، پھر استاذ کہاں، شاگرد کہاں، لیکن بعض شاگرد ایسے ہوتے ہیں جو استاذ کے ساتھ چمٹ کر رہ جاتے ہیں کہ ہر وقت استاذ کے ساتھ ہیں، جہاں استاذ جا رہے ہیں، شاگرد بھی ساتھ جا رہے ہیں۔ یہ شاگرد جو لنگڑے تھے، یہ بھی ایسے ہی تھے کہ ہر وقت اپنے استاذ کے ساتھ لگے رہنے کی فکر میں رہتے تھے۔

تم ہمارے ساتھ بازار مت جایا کرو

جب یہ دونوں استاذ شاگرد بازار جاتے، تو چونکہ استاذ چندھے تھے، اور شاگرد لنگڑے تھے، اس لئے لوگ ان کو دیکھ کر ہنسی مذاق اُڑاتے کہ یہ عجیب استاذ شاگرد ہیں کہ ایک چندھا ہے، اور ایک لنگڑا ہے، حضرت امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن اپنے شاگرد سے کہا کہ تم میرے ساتھ بازار مت جایا کرو، شاگرد نے پوچھا کیوں نہ جاؤں؟ آپ نے فرمایا کہ جب ہم دونوں بازار جاتے ہیں تو لوگ مذاق اُڑاتے ہیں کہ استاذ چندھا ہے اور شاگرد لنگڑا ہے، شاگرد نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ لوگ مذاق اُڑاتے ہیں تو کیا اب ہم ساتھ جانا بند کر دیں، اور کہا کہ

مَالَنَا نُؤجَرُ وَ یَاثَمُوْنَ ہمیں کیا ہے اگر مذاق اُڑاتے ہیں، ہمیں تو ان کے مذاق اُڑانے پر ثواب ملتا ہے، اور وہ گنہگار ہوتے ہیں، اس لئے کہ وہ لوگ ایک ایسی چیز پر مذاق اُڑا رہے ہیں جو ہمارے اختیار سے باہر ہے، کیا چندھا ہونا ہمارے اختیار میں تھا؟ یا لنگڑا ہونا ہمارے اختیار میں تھا؟ بے اختیار ایک چیز پیدا ہوگئی ہے، اس کی وجہ سے وہ مذاق اُڑا رہے ہیں تو اس پر ان کو گناہ ہوگا، اور ہمیں ثواب ملے گا۔

ہم بھی اور وہ بھی دونوں گناہ سے بچ جائیں

استاذ تو استاذ ہی تھے، انہوں نے شاگرد کی بات سن کر ایک بڑا عجیب و غریب جملہ ارشاد فرمایا:

نَسْلَمُ وَ یَسْلَمُوْنَ خَیْرًا مِنْ اَنْ نُؤجَرَ وَ یَاثَمُوْنَ

فرمایا کہ اگر ہم بھی سلامت رہ جائیں کہ ہمیں بھی کوئی تکلیف نہ ہو، اور وہ بھی سلامت رہ جائیں کہ انہیں بھی گناہ نہ ہو، یہ بہتر ہے بنسبت اس کے کہ ہمیں ثواب ملے اور ان کو گناہ ملے، اب اگر دونوں ایک ساتھ بازار جاتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ لوگ مذاق اُڑا کر گنہگار ہوتے ہیں، ہم تو اس صورت میں گناہ سے سلامت رہ گئے، لیکن ان کو گناہ ہوا، لیکن اگر ہم ایک ساتھ بازار نہیں جائیں گے، تو وہ لوگ مذاق نہیں اڑائیں گے، تو اس صورت میں وہ لوگ بھی گناہ سے محفوظ رہیں گے، اور ہم بھی گناہ سے محفوظ رہیں گے، اور ہم سب گناہ سے محفوظ ہو جائیں گے، یہ بہتر ہے، بنسبت اس کے کہ ہمیں تو ثواب ملے، اور ان کو گناہ ہو، اس لئے آئندہ تم میرے ساتھ بازار مت جانا، اس سے معلوم ہوا کہ جو کام ضروری نہ ہو، اور اس کی

وجہ سے کوئی دوسرا آدمی گناہ کے اندر مبتلا ہو رہا ہو تو اس کام کو ترک کر دینا چاہیے، تاکہ اس آدمی کو گناہ سے بچایا جا سکے۔

شیطان نے بچی کو بھی نہیں چھوڑا

جو حدیث شروع میں میں نے پڑھی اس میں یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ بازار کی طرف نکلے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک چھوٹی سی لڑکی کے پاس سے گزرے، اور وہ لڑکی گا رہی تھی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس لڑکی کو گاتے ہوئے دیکھ کر فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَوْ تَرَکَ اَحَدًا لَتَرَکَ هٰذِهٖ

اگر شیطان کسی کو اپنے کام میں پھنسانے سے چھوڑتا تو اس بچی کو چھوڑتا، لیکن شیطان ایسی چیز ہے کہ وہ کسی کو نہیں چھوڑتا، اس نے اس بچی کو بھی اپنے کام میں لگا لیا، یعنی گانے بجانے کے کام میں لگا دیا، حالانکہ یہ بچی نا سمجھ ہے، کم عمر ہے، اسکے باوجود شیطان نے اس کو اپنے کام میں لگا دیا۔ اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس گانے بجانے کو شیطان کے کام سے تعبیر فرمایا، اور یہ فرمایا کہ بچی شیطان کے داؤ میں آ گئی ہے، اور اس کی وجہ سے گانے بجانے میں مشغول ہے، اس سے گانے بجانے کی حرمت اور گانے بجانے کا عمل شیطانی ہونا معلوم ہوا۔

ایسے اشعار پڑھنا جائز ہے

یہاں پر اس بات کو سمجھ لیجئے کہ کون سا گانا بجانا ایسا ہے کہ جس کی شریعت میں گنجائش ہے، اور کون سے گانے بجانے کی حرمت ہے، ایک گانا تو یہ ہوتا ہے کہ آدمی نے کچھ اشعار بے تکلف ترنم کے ساتھ پڑھ لئے، تو اس طرح بے تکلفی اور سادگی سے ترنم کے ساتھ اشعار پڑھ لینا شریعت میں منع نہیں، بلکہ جائز ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت بھی ہے، آپ نے سنا ہوگا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت چند بچیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر مقدم کے طور پر ترانہ پڑھا کہ:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا وَدَعَا لِلّٰهِ دَاع

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

ان بچیوں کو چھوڑ دو، ان کو پڑھنے دو

روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ عید کا دن تھا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں لیٹے ہوئے تھے، اور آپ کے گھر میں مختلف محلوں کی چھوٹی بچیاں جمع ہو کر کوئی ترانہ ترنم سے پڑھ رہی تھیں، آپ لیٹے ہوئے تھے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر میں داخل ہوئے، انہوں نے دیکھا کہ کچھ بچیاں گا رہی ہیں، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان بچیوں کو ڈانٹنا چاہا کہ تم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں، آپ کے گھر میں یہ کیا کر رہی ہو؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسری طرف چہرہ کئے ہوئے لیٹے ہوئے تھے، جب آپ نے دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈانٹ رہے ہیں تو آپ نے اپنا چہرہ مبارک ان کی طرف کیا، اور فرمایا کہ ان بچیوں کو چھوڑ دو، ان کو پڑھنے دو، ان کی عید کا دن ہے۔

شادی کے موقع پر اشعار پڑھنے کی اجازت

لیکن یہ گانا سادگی کے ساتھ، بے تکلفی سے، ترنم کے ساتھ اشعار پڑھنے کی حد تک محدود تھا، نہ اس کے ساتھ کوئی آلہ تھا، نہ کوئی موسیقی تھی، نہ کوئی چنگ و رباب تھا، نہ کوئی فنکاری کے ساتھ گانا تھا، بلکہ سادگی کے ساتھ بچیاں گا رہی تھیں، آپ نے فرمایا کہ گانے دو...... اسی طرح شادی بیاہ کے موقع پر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ کچھ بچیاں گا رہی تھیں، تو آپ نے گانے کی اجازت دی، بلکہ ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ ترغیب بھی دی کہ چونکہ انصار کو یہ پسند ہے، اس لئے جب کسی لڑکی کی رخصتی ہو تو بچیوں کو بھیج دیا کریں کہ وہ تھوڑا بہت گا لیا کریں..... لیکن اس گانے کے اندر نہ آلات موسیقی ہوتے تھے، نہ چنگ و رباب ہوتا تھا، نہ باقاعدہ فنکاری ہوتی تھی، بلکہ سادگی کے ساتھ ترنم سے چند اشعار پڑھ لئے تو اس حد تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے۔

ایسا گانا جائز نہیں

ایک گانا وہ ہے جس کو باقاعدہ مشغلہ بنا لیا جائے، جس کو باقاعدہ فن بنا لیا جائے، جس کے ساتھ آلات موسیقی ہوں، مثلاً چنگ و رباب، عود، ڈھولک اور باجا

ہو، ایسے گانے پر باقاعدہ وعید آئی ہے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سخت وعید بیان فرمائی ہے، اور اس کو ناجائز قرار دیا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس حدیث میں جو نکیر فرمائی ہے کہ یہ شیطان کا عمل ہے، اس کو شیطان کا عمل اس لئے قرار دیا کہ یہ اس ممنوع گانے میں داخل تھا، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

شیطان کے عزائم اور ارادے

قرآن کریم میں یہ جو واقعہ آتا ہے کہ جب اللہ جل شانہ نے شیطان کو جنت سے نکالا، اور راندہ درگاہ کیا تو اس شیطان نے بھی اپنے عزائم اور ارادے اللہ تعالیٰ کے سامنے بیان کئے کہ آپ کے بندوں کو اس طرح گمراہ کروں گا:

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ (النسآء: ۱۱۹)

یعنی میں ان بندوں کو بہکاؤں گا، اور ان کو امیدیں دلاؤں گا، اور میں ان کو حکم دوں گا جس کے نتیجے میں وہ چوپاؤں کے کانوں کو تراشا کریں گے، اور میں ان کو حکم دوں گا، جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے۔ بہرحال، اس نے اپنا یہ ارادہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ظاہر کیا۔

اللہ تعالیٰ کا جواب

جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو جو چاہے کرلے، لیکن جو میرے نیک بندے ہیں وہ تیرے جال سے محفوظ رہیں گے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے

قرآن کریم میں فرمایا :

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ . (بنی اسرائیل : ٦٤)

یعنی ان میں سے جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ و پکار سے اور اپنی آواز سے، اور ان پر اپنے سوار اور پیادہ کے ذریعہ چڑھائی کر کے، اور ان کے مال اور اولاد میں شرکت کر کے، اور ان سے جھوٹے وعدے کر کے ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کر لینا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جا تو اپنی آواز کے ذریعہ ان کو بہکا دے، مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ شیطان کی آواز سے مراد گانا بجانا ہے، مطلب یہ ہے کہ شیطان جو لوگوں کو غلط راستے پر ڈالے گا، اور اپنی آواز کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کرے گا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گانے بجانے کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کرے گا، لہٰذا گانے بجانا شیطان کی آواز ہوئی، اس وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ شیطان نے اس بچی کو بھی نہیں چھوڑا، اور اپنے داؤ میں پھنسا لیا، اور جتنے بھی آلات موسیقی ہیں ان کو ''مزمار الشیطان'' اور شیطانی عمل قرار دیا گیا، اور مسلمانوں کو ان سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی، مسلمانوں کا یہ کام نہیں کہ وہ اس میں مبتلا ہوں۔

نام بدل کر حرام کو حلال قرار دینا

لیکن افسوس یہ ہے کہ احادیث میں جتنی شدت کے ساتھ اس کی ممانعت آئی

تھی، اور اس سے پرہیز کی تاکید کی گئی تھی، آج اتنی ہی شدت سے مسلمانوں کے گھروں میں گانے باجے کا سلسلہ بھرا پڑا ہے، شاید ہی کوئی گھر اس سے خالی ہوگا، الا ماشاء اللہ، ورنہ سب گھر اس میں مبتلا ہیں، یہ بھی درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے، صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے آخری زمانے میں لوگ ایسے ہوں گے کہ :

يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِيْرَ وَالْخُمُوْرَ وَالْمَعَازِفَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا، اَوْكَمَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فرمایا کہ آخری زمانے میں ایسے لوگ آئیں گے جو نام بدل بدل کر حرام کو حلال قرار دیں گے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کے زمانے کو دیکھ کر یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔۔۔ زنا کو حلال قرار دیں گے نام بدل کر، جیسے آج ہو رہا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ کورٹ شپ ہے، یہ فرینڈ شپ ہے، یہ تو دوستی ہے، نام یہ رکھ لئے، جبکہ حقیقت میں یہ زنا ہیں، اور حریر یعنی ریشم کو حلال قرار دیں گے، مردوں کے لئے ریشم حرام ہے، لیکن مرد ریشم نام بدل کر پہنیں گے کہ یہ تو فیشن ہے، اور فیشن کا تقاضہ ہے، اور شراب کو نام بدل کر حلال قرار دیں گے، کہ یہ شراب نہیں یہ تو ''آب جو'' ہے، اب نام بدل کر اس کو پینا شروع کر دیا، اور باجے اور آلات موسیقی کو نام بدل کر حلال قرار دیں گے۔

موسیقی کا نام ''آرٹ'' اور ''فن'' رکھ دیا گیا

یعنی آلات موسیقی کا نام بدل کر اچھا سا نام دیدیں گے، جیسے آج کل یہ کہا جا

رہا ہے کہ یہ آرٹسٹ ہے، یہ تو فن کار ہے، اس کو آرٹ اور فن کا نام دیدیا گیا، اور اس کو حلال کر دیا، پہلے زمانے میں جو شخص گانے بجانے کا پیشہ کرتا تھا، اس کو ''میراثی'' کہا جاتا تھا، اور میراثی کو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا، بلکہ لوگ کہتے تھے کہ یہ تو ''میراثی'' ہے، یہ تو ''گویا ہے'' گانے بجانے والا ہے، اس کو معاشرے میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا، لیکن آج وہی میراثی آرٹسٹ اور فن کار بن گیا، اور اب وہ پورے معاشرے کے لئے ایک مثالی فرد بنتا جارہا ہے، بچے، نوجوان اس کی پیروی کرتے ہیں، اس کے پیچھے بھاگتے ہیں، اس جیسا بننے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ اس عمل کا نام اچھا رکھ دیا گیا، تو اب وہ لوگوں کے لئے لائق تقلید ہو گیا۔

ہر گھر کے ہر کمرے میں موسیقی کی آواز آرہی ہے

یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے بتادی تھی کہ یہ سب ہونے والا ہے، آج یہ سب گناہ نام بدل بدل کر رائج ہو رہے ہیں، اور مسلمانوں کے معاشرے میں پھیل رہے ہیں، خاص طور پر جب سے ریڈیو اور ٹی وی لوگوں کے گھروں کے اندر آگئے، تو ان چیزوں نے تو معاشرے میں فساد ہی برپا کر دیا اور اب ہر گھر موسیقی خانہ بنا ہوا ہے، ہر گھر میں گانے باجوں کی آوازیں گونج رہی ہیں، اس لئے کہ گھر میں ریڈیو چل رہا ہے، گھر میں ٹی وی چل رہا ہے، اور اس میں گانے آرہے ہیں، اور موسیقی آرہی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو کام کسی خاص جگہ میں ہوا کرتا تھا، اب وہ کام ہر ہر گھر میں ہو رہا ہے، اور گھر کے ہر ہر کمرے میں ہو

رہا ہے، اور شیطان کی آواز کی یہ نحوست گھر کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی ہے، العیاذ باللہ العلی العظیم۔

آج ہر شخص پریشان کیوں؟

اس کے نتیجے میں آج ہر شخص پریشان ہے، اور آج یہ نحوست آئی ہوئی ہے کہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں، ہمارے مقاصد پورے نہیں ہوتے، ہم ذلت میں جارہے ہیں، یہ سب کیوں نہ ہو؟ اس لئے کہ ہم نے اپنے گھر گانے بجانے کے مرکز بنارکھے ہیں، شیطان کے عمل کا مرکز بنایا ہوا ہے، گھر کے کونے کونے میں گانا بجانے کی نحوست پھیلی ہوئی ہے، اس صورت میں کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوگی یا اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا؟

بڑا خطرناک مقام

اور بڑا خطرناک مقام وہ ہوتا ہے، جب انسان کے دل سے گناہ کی برائی نکل جائے، اگر انسان گناہ کرے، اور گناہ کو گناہ سمجھ کر کرے، تو پھر بھی کچھ غنیمت ہے کہ کسی وقت ندامت ہوگی، اور شرمندگی ہوگی تو اس کے نتیجے میں توبہ کی توفیق ہو جائے گی، جب کسی گناہ کی بات کو دیکھتے دیکھتے یا کسی گناہ کو سنتے سنتے کان اس کے عادی ہو جاتے ہیں، دل اس کا عادی ہو جاتا ہے، تو پھر اس گناہ کی برائی دل سے نکل جاتی ہے، اس گناہ کی تاریکی اور ظلمت کا احساس ختم ہو جاتا ہے، اللہ بچائے، یہ انسان کے لئے بڑا خطرناک موقع ہوتا ہے کہ انسان کی حس ہی مٹ چکی ہے، اب وہ بے حس ہو چکا ہے۔ بے حس ہونے کی ایک مثال یوں سمجھیں جیسے ایک آدمی کسی

بدبودار جگہ پر جائے، جب وہ پہلی مرتبہ جائے گا تو اس کے لئے وہاں جانا مشکل ہوگا، اس لئے کہ بدبو آئے گی، اور وہ پریشان ہوجائے گا، لیکن اگر وہ شخص اس جگہ پر رہنا شروع کردے، صبح وشام وہیں رہتا ہے، رفتہ رفتہ اس کی ناک، کان اس کا سارا جسم اس بدبو کا عادی ہوجائے گا، اب اس کو بدبو محسوس ہی نہیں ہوگی، اس کو پتہ بھی نہیں ہوگا کہ میں کسی بدبودار جگہ پر ہوں۔

گناہوں کا احساس مٹ چکا ہے

یہی حال آج ہم لوگوں کا ہو رہا ہے، ہم لوگ گناہوں کے اندر اس درجہ گھر گئے ہیں، اور گناہوں نے ہمارے چاروں طرف اس طرح احاطہ کرلیا ہے، تو اب ان گناہوں کے گناہ ہونے کا احساس اور اس کی ظلمت کا احساس، اس کی تاریکی کا احساس مٹ رہا ہے، یہ بڑے خطرے کی بات ہے، ہر مسلمان کو اس کی فکر کرنی چاہیے۔

پیدا ہوتے ہی کان میں گانے کی آوازیں

اب نتیجہ یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی یہ آوازیں اس کے کانوں میں پڑ رہی ہیں، اب اس بچہ کے دل میں اس گناہ کی برائی کہاں سے پیدا ہوگی؟ وہ کیسے اس گناہ کی ظلمت کو محسوس کرے گا، وہ بچہ تو ظلمت کا عادی ہوکر پروان چڑھتا ہے، اسی حالت میں بڑا ہوتا ہے، اسی حالت میں وہ جوان ہوتا ہے، یہ ساری شیطانی اعمال کی ظلمتیں اس کے دل پر چھائی ہوئی ہوتی ہیں، بہرحال؛ یہ بری فکر کرنے کی بات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنے اہتمام کے ساتھ

اس سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے، اور آج ہمارے گھروں میں ریڈیو اور ٹی وی کی جو بلا مسلط ہے، اس نے گھر کے کونے کونے میں یہ شیطانی اثرات پھیلا دیے ہیں، اگر واقعتاً اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کا احساس ہے، مرنے کا احساس ہے، تو اس کی فکر کرنی چاہیے، اور اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس سے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ گھروں سے یہ بلا ختم ہو، اور اپنی زندگی کو پاکیزہ بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ہمت کر کے ان عادتوں کو چھوڑ دیں

لوگ یہ کہتے ہیں کہ ٹی وی اور کیبل اتنا زیادہ پھیل گیا ہے کہ اب اس سے بچنا مشکل ہے، اور اب کان ان گناہوں کے عادی ہوگئے ہیں، دل عادی ہوگیا ہے، ان گناہوں کی لت پڑگئی ہے، لہٰذا اس سے یہ کیسے نکلیں؟ خوب سمجھ لیں کہ انسان کے اندر جتنی عادتیں ہیں، وہ اختیاری ہیں، کوئی عادت اختیار سے باہر نہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہمت میں بڑی طاقت عطا فرمائی ہے، جب انسان اپنی ہمت کو استعمال کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی ہمت میں بڑی طاقت عطا فرما دیتے ہیں، اور جب اللہ کے لئے اس ہمت کو استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں خصوصی برکت ڈال دیتے ہیں، اور مدد فرماتے ہیں۔

اہل عرب اور شراب کی محبت

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو دیکھئے، کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تو ان کی عادتیں کیا تھیں؟ وہ لوگ شراب کے عادی تھے، جبکہ شراب کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ جب شراب

کسی کے منہ کو لگ جاتی ہے، تو پھر چھوٹتی نہیں، غالب نے بھی یہ کہا ہے کہ:

چھوٹتی نہیں منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

جب ایک مرتبہ منہ سے لگ گئی تو اب چھوٹنا مشکل ہے، آدمی اس کا عادی بن جاتا ہے، اور اہل عرب شراب کے اتنے عادی تھے، شراب سے ان کو اتنی محبت تھی کہ عربی زبان میں صرف شراب کے ڈھائی سو نام ہیں، اگر صبح کے وقت شراب پی جائے تو اس کا نام اور ہے، دو پہر کو پی جائے تو یہ نام ہے، شام کو پی جائے تو یہ نام ہے، شراب میں پانی ملاؤ تو یہ نام ہے، کھجور سے بناؤ تو یہ نام ہے، انگور سے بناؤ تو یہ نام ہے، دونوں کو ملا کر بناؤ تو یہ نام ہے، اس طرح ڈھائی سو نام شراب کے رکھے ہوئے تھے، کیونکہ اس سے محبت زیادہ تھی۔

شراب کی حرمت پر صحابہ کی حالت

لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور آپ نے پہلے حکمت سے کام لیا، رفتہ رفتہ لوگوں کے ذہن بنائے، اور آخرت کی فکر ان کے دلوں میں پیدا کی، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا فرمایا، اور شروع میں شراب کی برائی پر آیات نازل ہوئیں، جس میں شراب کی حرمت کا صراحتاً حکم نہیں دیا گیا، لیکن شراب کی برائی بیان کی گئی، یہاں تک کہ جب صحابہ کرام کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا احساس پیدا ہو گیا تو اس کے بعد شراب کی حرمت کا حکم آگیا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جس وقت شراب کی حرمت کا حکم آیا، اس وقت میں صحابہ کرام کی ایک محفل میں ساقی بنا ہوا تھا، اور لوگوں کو شراب پلا

رہا تھا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرمت شراب کی آیت نازل ہوئی، تو آپ نے ایک منادی بھیجا کہ جا کر مدینہ کی گلیوں میں اعلان کر دو، چنانچہ اچانک اس منادی کی آواز کان میں پڑی کہ :

اَلَا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ

''سن لو کہ شراب حرام کر دی گئی ہے'' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آواز کان میں پڑی تو میں نے دیکھا کہ جس شخص نے اپنی منہ سے شراب کا پیالہ لگایا ہوا تھا، اس نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ جو گھونٹ منہ میں ہے اس کو حلق سے نیچے اتار دوں، بلکہ اسی وقت کلی کر دی، اور پیالہ توڑ دیا، جتنے شراب کے مٹکے رکھے ہوئے تھے، وہ سب توڑ دیے گئے، اور شراب کو پانی کی طرح بہا دیا گیا، اور فرمایا کہ تین دن تک مدینہ کی گلیوں میں پانی کی طرح شراب بہتی رہی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرما دیا تھا کہ شراب حرام ہے، اور شراب کے جتنے برتن تھے، جن میں شراب پی جاتی تھی، اور شراب کے مٹکے جن میں شراب بنائی جاتی تھی، ان برتنوں کے استعمال کو حرام قرار دیدیا، جو شخص شراب کا اتنا عادی ہو چکا ہو، وہ صرف ایک حکم کے آگے اس طرح چھوڑ دے، یہ بہت بڑی بات ہے۔

آخرت کی فکر سب کچھ چھڑا دیتی ہے

جب اللہ تعالیٰ ایمان کی دولت عطا فرماتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ آخرت کی فکر عطا فرماتے ہیں، جب انسان کو اس بات کی فکر اور دھن لگ جاتی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا کیا انجام ہونے والا ہے، تو پھر ان بری عادتوں کی کوئی

حیثیت نہیں رہتی، اور انسان ان کو چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے، یہ تو شراب کا معاملہ ہوا۔

صحابہ کرام نے گانا بجانا چھوڑ دیا

یہی صحابہ کرام شعر و شاعری کے خوگر تھے، اور گانے بجانے کے بھی خوگر تھے، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ممانعت کے احکام آئے تو گانا بجانا تو درکنار، ایسی شاعری جو گندی شاعری ہوا کرتی تھی، اس کو بھی ترک کر دیا، بڑے بڑے شعراء تھے، لیکن اسلام لانے کے بعد انہوں نے شعر و شاعری کو چھوڑ دیا، حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، جو بڑے اونچے درجے کے شعراء میں شمار ہوتے تھے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق دی تو فرمایا کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، چاہے دل میں ان کاموں کے کرنے کا تقاضہ پیدا ہو رہا ہو، لیکن جب اللہ کے رسول کا حکم آ گیا تو اب شعر و شاعری کو ختم کر دیا، اور ہمت کر کے اپنے تقاضے کو دبا دیا۔ بہر حال! ان بری عادتوں کو چھوڑنے کے لئے ہمت کرو، اگر ہمت نہیں ہو رہی ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ یا اللہ! ہمیں ہمت بھی عطا فرما۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے تھے کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں کئی اندھیریوں میں گھر گئے، قرآن کریم کہتا ہے کہ جب وہ مچھلی کے پیٹ میں اندھیریوں میں گھر گئے اور باہر نکلنے کا راستہ کوئی نہیں تھا تو انہوں نے اندھیریوں میں گھرنے کے بعد ہمیں

پکارا کہ :

فَنَادیٰ فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ، فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ (الانبیاء : ۸۸،۸۷)

ان تاریکیوں کے اندر ہمیں پکارا کہ اے اللہ! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا، اسی کی پاداش میں یہاں پہنچا ہوں، آپ ہی ان تاریکیوں سے نکالنے والے ہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ان کی اس پکار کو قبول کر لیا، اور ہم نے اس گھٹن سے ان کو نجات دیدی، آپ اس گھٹن کا اندازہ کریں کہ وہ مچھلی کے پیٹ کے اندر چلے گئے، وہاں کیسی گھٹن پیش آئی ہوگی۔

ہم ایمان والوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں

آگے اللہ تعالیٰ نے بڑی عجیب بات ارشاد فرمائی کہ ''وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْن'' کہ ہم ایمان والوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ذرا یہ سوچو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیا فرمادیا کہ ''وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْن'' کہ ہم مؤمنوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں، کیا ہر مؤمن پہلے مچھلی کے پیٹ میں جائے گا، اور وہاں جا کر وہ یہ الفاظ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو مچھلی کے پیٹ سے نجات دیدیں گے؟ ظاہر ہے کہ یہ بات نہیں، کیونکہ وہ تو ایک واقعہ تھا، جو حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ پیش آ گیا۔ دراصل اس کے ذریعہ اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم بھی اسی طرح تاریکیوں میں گھر

جاؤ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام گھر گئے تھے، تو اس وقت ہمیں ان الفاظ سے پکارو کہ:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

وہ مچھلی کے پیٹ کی اندھیریاں تھیں، اور اگر آج تم گناہوں کی اندھیریوں میں، معصیتوں کی اندھیریوں میں، ماحول کی اندھیریوں میں گھر جاؤ تو ہمیں ان کلمات کے ذریعہ پکارو کہ اے اللہ! میں ان ظلمات میں گھر گیا ہوں، مجھے اپنی رحمت سے ان ظلمات سے نکال دیجئے، جب تم پکارو گے تو تمہیں نجات دیدیں گے۔ بہر حال! یہ مت سمجھو کہ یہ کوئی ناقابل عمل بات ہے یا یہ کوئی دور از کار بات ہے، جب شیطان کی یہ چال ہے کہ تمہیں ان گناہوں کے اندر مبتلا کرے تو تم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو۔

آج مسلمان گناہوں کی ظلمتوں میں گھرے ہوئے ہیں

شیطان کی چال تو اپنی جگہ پر ہے، یہ دشمنان اسلام، جن کو تم دن رات گالیاں دیتے ہو، جن کو برا بھلا کہتے ہو کہ انہوں نے ہمیں غلام بنا رکھا ہے، ہمارے اوپر ظلم وستم کر رہے ہیں، یہ ان کی بڑی چال ہے، اور انہوں نے اس ٹی وی کے ذریعہ، اور اس کے پروگراموں کے ذریعہ، اور فلموں کے ذریعہ انہوں نے پورے عالم اسلام پر فتح پائی ہے، جب تم ان کے پروگرام دیکھ رہے ہو، اور تم ان کی لائی ہوئی ثقافت کو دیکھ رہے ہو، اور اس ثقافت کو تم نے اپنی زندگی کا جز بنالیا ہے، اور ان کے طور طریقوں کو اپنے لئے مثال قرار دیدیا ہے تو وہ لوگ تم پر فتح تو پاچکے ہیں۔ یہ

درحقیقت ان کی چال تھی کہ مسلمانوں کو ان چکروں میں لگا دیا جائے کہ وہ ہماری ثقافت، ہمارے طور طریقے، اور ہماری تہذیب کو اختیار کریں، اور ہمارے زندگی گزارنے کے طریقوں کو اختیار کریں، چنانچہ یہ ہو رہا ہے، جو پروگرام ٹی وی پر آتا ہے، وہ ہماری زندگی کے اندر داخل ہو جاتا ہے، اور ہماری زندگی کا جز بن جاتا ہے، یہ دراصل شیاطین الجن اور شیاطین الانس کا جال ہے، جس نے ہمیں چاروں طرف سے گھیرے میں لیا ہوا ہے، اس جال سے بچنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کو پکارو، اور کہو ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ'' اور پھر اپنے آپ کو اس گانے باجے سے بچاؤ، یہ ظلمتوں کا ماحول ہے، یہ شیطان کا پیدا کردہ ماحول ہے، اس سے نکالو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت ہمیں اس بات پر تنبیہ کر رہی ہے کہ یہ شیطانی عمل ہے، اور ہر مسلمان کو اس سے بچنا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمت سے اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اگلی روایت بھی اسی موضوع پر ہے، جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں، اور یہ وہ بزرگ ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا دی تھی کہ ''اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ'' اے اللہ! ان کو قرآن کریم کا علم عطا فرما۔ تفسیر قرآن کریم کا علم عطا فرما، اگرچہ اس وقت وہ کم سن بچے تھے، لیکن

اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن کریم کا علم عطا فرمایا، اور ان کو "امام المفسرین" کہا جاتا ہے، یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تمام مفسرین کے امام ہیں۔

گانے باجے کے آلات لانے والا

وہ فرماتے ہیں کہ "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ" -قال الغناءُ وَ اشْباهُهُ- قرآن کریم میں سورۂ لقمٰن کی یہ آیت ہے کہ :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ (لقمٰن: ٦)

اس آیت میں ایک آدمی کا ذکر ہے، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کافر تھا، جب وہ شام کا تجارتی سفر کرتا، تو وہاں سے فضول قسم کے قصے کہانیوں کی کتابیں، اور گانے بجانے کے آلات لایا کرتا تھا، اور مکہ مکرمہ میں لاکر ان کو پھیلایا کرتا تھا، قرآن کریم نے اس آیت میں اس کی مذمت بیان فرمائی، اور اس کے بارے میں یہ پوری آیت نازل ہوئی، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک آدمی وہ ہے جو "لہو" کو یعنی اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیزیں بازار سے خرید کر لاتا ہے، تاکہ لوگوں کو اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ کرے، قرآن کریم نے "لہوالحدیث" کا لفظ استعمال کیا، یعنی ایسی بات جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والی ہو، وہ خرید کر لاتا ہے۔

گانے بجانے کے آلات بھٹکانے والے ہیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو امام المفسرین ہیں، اور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن کریم کا علم عطا فرمایا، وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ''لہوالحدیث'' سے مراد گانا بجانا ہے، یعنی وہ شخص دوسری جگہوں سے گانے بجانے کے آلات خرید کر لاتا ہے، اور یہاں لا کر ان کو پھیلاتا ہے، اور اس کے ذریعہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ کرتا ہے، اس کے ذریعہ بتادیا کہ قرآن کریم کی یہ آیت گانے بجانے کے مذمت کر رہی ہے، اور یہ بتارہی ہے کہ یہ گانے بجانے کے آلات لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکانے والے ہیں، گمراہ کرنے والے ہیں، لہٰذا گانے بجانے کے آلات پر قرآن کریم میں بھی نہی وارد ہوئی ہے۔

۱۳۶ احادیث میں گانے باجے کی ممانعت

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا اس موضوع پر عربی زبان میں ایک رسالہ ہے، اور اب اس کا اردو میں ''اسلام اور موسیقی'' کے نام سے ترجمہ بھی ہو چکا ہے، اور ''مکتبہ دارالعلوم کراچی'' سے شائع ہو چکا ہے، اس میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۶ احادیث نقل کی ہیں جن میں گانا بجانے کی ممانعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وارد ہوئی ہے، اور اس میں یہ بات بھی ثابت ہے کہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت بھی اسی سلسلے میں نازل ہوئی تھی، اس طرح سے اس کی حرمت نہ صرف احادیث سے، بلکہ کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے، جب قرآن کریم و حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے تو ہر مسلمان کو اہتمام کے ساتھ اپنے آپ کو اور بچوں کو اور اپنے گھر والوں کو ان سے بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔

جائز تفریح پر کوئی پابندی نہیں

ہاں، جیسا کہ میں عرض کیا تھا کہ اگر سادگی کے ساتھ، ترنم سے اشعار پڑھ لئے، اور اس کو باقاعدہ فنکاری کا مشغلہ نہیں بنایا، اس کی شرعاً اجازت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی نفسیات کی بھی رعایت رکھی ہے کہ انسان کو تھوڑی بہت تفریح کی بھی ضرورت ہے، اس لئے شریعت نے جائز تفریحات پر پابندی عائد نہیں کی۔ لیکن جن چیزوں سے انسان کا دل خراب ہوتا ہے، اور جو چیزیں انسان کو اللہ سے غافل بنادیتی ہیں، ان شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے، اور گانا بجانا ان چیزوں میں سرفہرست ہے، اس لئے اس سے منع فرمادیا گیا ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو اس سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

اسلام اور مغربیت کے درمیان خلیج

اور اس کو پاٹنے کی ایک کوشش

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مولوی یحییٰ عاصم

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : احاطہ بیت المکرم

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اسلام اور مغربیت کے درمیان خلیج

اور
اسکو پاٹنے کی ایک کوشش

مرکز الاقتصاد الاسلامی کے نام سے معیشت وتجارت کے سلسلے میں مشاورت اور اسلامی بینکاری کی تربیت فراہم کرنے کا ایک ادارہ گلشن اقبال (جامع مسجد بیت المکرّم کے احاطے میں واقع ایک بلڈنگ) میں قائم ہے، یہ مرکز جامعہ دارالعلوم کراچی کا ذیلی ادارہ ہے، اور اس کے بورڈ آف ٹرسٹیز (Board of trusties) کے چیئر مین (Chairman) حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ہیں، سینٹر مختلف تجارتی اور مالیاتی اداروں سے وابستہ پیشہ ور حضرات کو اسلامی معیشت سے متعلق معلومات فراہم کرنے کے لئے مختصر دورانئے کے کورس اور سیمینار منعقد کرتا رہتا ہے۔ اس سال مرکز نے (PGD) پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما کورس (Post graduate diploma course) کا بھی آغاز کیا جو بحمد اللہ کامیابی سے جاری ہے، کورس کے آغاز میں حضرت شیخ الاسلام نے وقیع خطاب فرمایا، جسے مولانا محمد یحییٰ عاصم صاحب نے ضبط وترتیب دیا۔ یہ خطاب نذر قارئین ہے۔ بشکریہ البلاغ، شعبان ۱۴۲۵ھ..............................(میمن)

الحمد لله رب العلمين ، والعاقبة للمتقين، والصلاة و السلام على خاتم النبيين، و على آله و اصحابه اجمعين، و على كل من تبعهم باحسان الى يوم الدين . اما بعد !

معزز حاضرین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ تعالیٰ کا شکر کن الفاظ میں

اور کس طرح ادا کیا جائے، کہ الحمدللہ آج ہمارے المرکز الاقتصاد الاسلامی کی طرف سے پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ (Post graduate diploma) کا آغاز ہو رہا ہے، اور آج اس کا پہلا دن ہے، اس کورس کی ضرورت اور ہمارے اس ''سینٹر فار اسلامک اکنامکس'' (Centre for Islamic Economics) کے اغراض و مقاصد اجمالاً ضرور آپ کے علم میں آچکے ہوں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ پچھلی صدیوں میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے سیاسی اقتدار اور استعمار کا نشانہ بننا پڑا، جس نے ہماری زندگی کے ہر شعبے پر منفی اثرات مرتب کئے، اور شاید ان کا سب سے ہولناک اثر یہ تھا کہ امت مسلمہ کے عوام اور امت مسلمہ کے تعلیم یافتہ طبقات کو اسلامی تعلیمات کی رہنمائی سے تقریباً محروم کر دیا۔

جو نظام تعلیم لارڈ میکالے (Lord meekly) نے اس برصغیر میں جاری کیا اور اس کے مقاصد واضح طور پر برطانیہ کے دارالعوام میں بیان کئے، وہ یہ تھے:

> ''ہمیں ایک ایسی قوم پیدا کرنی ہے جو رنگ و نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، لیکن اپنی فکر، اپنے مزاج اور اپنی سوچ کے اعتبار سے انگریز ہو، اور ہم اپنی محکوم رعایا کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کیلئے ایک ایسا درمیانی طبقہ پیدا کرلیں، جو ہماری بات ہماری رعایا تک پہنچا سکے''

یہ مقاصد انہوں نے کوئی ڈھکے چھپے نہیں رکھے تھے، بلکہ یہ الفاظ یا جو مفہوم میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے، کم و بیش انہی الفاظ میں برطانیہ کے ہاؤس آف کامرس (House of commerce) میں لارڈ میکالے نے واضح کئے تھے،

اور وہ الفاظ اس کی تقریر میں موجود ہیں۔

بہت سی تدبیریں امت مسلمہ کے خلاف استعمال کی گئیں، لیکن سب سے زیادہ مؤثر تدبیر نظام تعلیم کی تبدیلی تھی، ایک ایسا نظام رائج کیا گیا جو کہ سراسر سیکولر (Saccular) تھا، اور اس میں دین اور اس کی تعلیمات کا کوئی خاطر خواہ حصہ نہ تھا، اسلامیات کا ایک مضمون ایک علیحدہ سبجیکٹ (Subject) کی حیثیت میں اگرچہ شامل نصاب رہا ہے، کہیں اختیاری اور کہیں لازمی۔ لیکن اس کی حیثیت پورے کارخانے میں ایک بے جوڑ پرزے سے زیادہ کی نہیں تھی۔

آپ جانتے ہیں کہ اسلامی کی تعلیمات صرف عبادات کی حد تک محدود نہیں ہیں، اسلام نے زندگی کے ہر شعبے میں جامع ہدایات عطا فرمائی ہیں، قرآن کریم نے بھی، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نے بھی، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں کم از کم اصولی اور بنیادی ہدایات موجود نہ ہوں، خاص طور پر سیاست اور معیشت کے بارے میں اصولی ہدایات تفصیل کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہیں، ان دونوں شعبوں میں اسلامی تعلیمات اور موجودہ دور کے نظریات کے درمیان صرف شکلی اور ظاہری ہیئت کا فرق نہیں ہے، بلکہ کانسپٹس (Concepts) کا فرق ہے، اور خاص طور میں معیشت کا ذکر کروں گا کہ آج کے دور میں معیشت انسانی زندگی کے اہم ترین موضوعات میں سے ایک ہے، اور اس کی بنیاد پر سیاسی انقلابات آئے ہیں، اسی کی بنیاد پر زندگیاں تبدیل ہوئی ہیں، اور قومیں بنی اور بگڑی ہیں۔ اس لئے معیشت کے بارے میں اللہ رب العزت نے

کچھ اصول عطا فرمائے ہیں، جو اپنے تصور کے لحاظ سے دنیا کے موجودہ چلے ہوئے نظاموں سے بہت مختلف ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہر نظام، اور ہر نظریہ اپنی فطری ارتقاء کی منازل اس وقت طے کرتا ہے جب اس کو عملی طور پر اپلائی (Apply) کیا جائے، اور امپلیمنٹ (Implement) کیا جائے، اگر وہ عملی اطلاق سے محروم کر دیا جائے گا تو وہ ایک اسٹیٹک (Static) نظام کی حیثیت میں سامنے آئے گا، اور اس کے اندر جو ڈائنامزم (Dynamism) ہے یا اس کے اندر جو دوسری صلاحیتیں ہیں اور ایولوشنز (Evolutions) کی جو پٹیشلز (Pettishals) ہیں وہ ختم ہوتی چلی جائیں گی۔

اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قرآن کریم اور حدیث رسول کی صورت میں دو بنیادی سرچشمے ہمیں عطا فرمائے، جس میں دو چیزوں کا بڑا حسین امتزاج ہے، ایک اس بات کا کہ کچھ اصول ایسے ہیں جو قیامت تک ناقابل تغیر اور ناقابل تبدیل ہیں، جیسے بھی حالات آتے چلے جائیں اور زمانہ کیسے ہی پلٹے کھالے، لیکن وہ ازلی اور سرمدی اصول ہیں کہ جن میں کوئی تغیر نہیں ہوتا البتہ جہاں ان اصولوں کے دائرے میں رہتے ہوئے ان کی عملی تطبیق کا سوال پیدا ہوتا ہے، تو اس عملی تطبیق کے لئے اسلامی شریعت اور قرآن وسنت نے انسان کو اپنی سوچ بچار کے ذریعہ راستے تلاش کرنے کا بہت وسیع میدان دیا ہے۔ جو اصول ناقابل تغیر وتبدیل ہیں وہ ایک طرف، اور تغیر پذیر معاملات دوسری طرف، ان دونوں کے درمیان شریعت نے ایک حسین امتزاج پیش کیا ہے، آپ دنیا کی نظریاتی

تاریخ پر ایک نظر ڈال کر دیکھئے تو اس میں آپ کو یہ حقیقت ضرور ملے گی کہ انسانیت اس افراط وتفریط کی دو انتہاؤں میں بھٹکتی رہی ہے۔

ایک نظریہ یہ تھا اور بہت سی قومیں اور ملتیں اس کی قائل رہی ہیں کہ ہمیں مذہب میں چند اسٹیٹک (Static) غیر متحرک اور جامد اصولوں کا پابند بنایا گیا ہے، لہٰذا ہم ان سے سرمو انحراف نہیں کر سکتے، ان کے ہاں جتنے بھی نظریات یا اصول ہیں وہ جامد ہیں، غیر متغیر ہیں، ان کے اندر تغیر اور تبدیلی کا کوئی راستہ نہیں، کوئی آدمی ذرا سا راستہ دوسری طرف نکالنا چاہے تو نہیں نکال سکتا۔ عیسائیت (Christianity) کے جو ابتدائی تصورات ہیں اس میں یہ بات شامل تھی کہ جو اصول یا جو قواعد یا جو نظریات مذہب والوں نے متعین کر دیئے ہیں ان سے سرمو انحراف کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

آپ نے یقیناً سنا ہوگا کہ جب گلیلیو نے دور بین ایجاد کی تو دور بین کا استعمال اور اس کے ذریعہ کائنات کی تحقیق اور اس سے استفادہ کو مذہب میں بڑا زبردست جرم قرار دیدیا گیا، آپ کو معلوم ہے کہ گلیلیو کو اس جرم کی پاداش میں زندہ جلایا گیا۔ تو دیکھئے وہاں جمود کا یہ عالم تھا کہ کوئی نظریہ، چاہے وہ انسان کی دینی زندگی سے براہ راست متعلق نہ ہو، وہ اتنا جامد اور غیر متغیر ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی، ایک نظام یہ تھا۔

اس نظام کے ردعمل کے طور پر ایک دوسرا نظام مغرب میں وجود میں آیا، جس نے یہ کہا کہ جو مذہب ہمیں دور بین ایجاد کرنے اور اس کے استعمال سے روکتا

ہے ایسے مذہب کو سلام ۔ چنانچہ انہوں نے دوسری انتہاء کی طرف سفر شروع کر دیا، اور کہا کہ کوئی اصول ایسا نہیں ہے، جو متغیر نہ ہوسکتا ہو، اور اب ڈائنامزم (Dynamism) کا دور ہے، اس لئے ہر چیز ڈائنا مک (Dynamic) ہے، اور اب کسی چیز کو بھی معین اور جامد طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا، جیسے حالات ہوں گے، جیسے تقاضے ہوں گے، اس کے مطابق تبدیلی ہوگی، عقائد بھی بدل سکتے ہیں، نظریات بھی بدل سکتے ہیں، اخلاقی اقدار بھی بدل سکتی ہیں، یہاں تک کہ آخر میں برٹینڈرس (Bartenders) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ دنیا میں خیر و شر، اچھائی اور برائی، یہ کوئی انتہائی حیثیت نہیں رکھتے، نہ کوئی ایبسلوٹ (Absolute) اچھائی ہے، اور نہ کوئی ایبسلوٹ (Absolute) برائی ہے، ہر چیز اضافی حیثیت رکھتی ہے، اچھائی بھی اضافی ہے، اور برائی بھی اضافی ہے، حالات کے لحاظ سے اگر انسان کو کسی عمل میں بھلائی محسوس ہو رہی ہے تو وہ اچھی ہے، اور اگر حالات کے لحاظ سے اس کو بری لگ رہی ہے تو وہ بری ہے، لیکن کسی بھی چیز کو ہمیشہ اور دائمی طور پر اچھا یا برا نہیں کہا جا سکتا، لہٰذا فلسفہ اخلاق کا یہ اصول طے پا گیا ہے کہ کوئی بھی چیز نہ کوئی ایبسلوٹ (Absolute) اچھائی ہے اور نہ کوئی ایبسلوٹ (Absolute) برائی ہے، اچھائی اور برائی کا فیصلہ حالات پر منحصر ہے۔

جب کوئی چیز بھی اپنی جگہ سلامت نہ رہی تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کی نفسانی خواہشات اس کو ایسی جگہ پر لے گئیں جہاں کوئی اخلاقی معیار مقرر نہیں ہے، آپ جانتے ہیں کہ اسی کے نتیجے میں آج برطانیہ اور دیگر بہت سے یورپی ممالک

میں تالیوں کی گونج میں ایسے کاموں کے جواز کا بل پاس کیا جاتا ہے کہ کبھی جن کا تصور بھی انسان کے لئے باعث شرم ہوا کرتا تھا۔

یہ دو انتہائیں ہیں، ایک یہ کہ جمود اتنا کہ سرمو انسان اپنی سوچ کے ذریعہ کوئی راستہ تلاش نہیں کر سکتا، اور دوسری طرف تغیر پذیری اتنی کہ ڈائنا مزم (Dynamism) کے نام پر دنیا کی ہر اخلاقی قدر کو تغیر کی خراد پر گھس لیا جائے، اور کوئی قدر صحیح سالم نہ رہے۔ لیکن شریعت نے ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ایک حسین امتزاج پیش کیا ہے، وہ یہ کہ نہ ہر چیز قابل تغیر ہے، اور نہ ہر چیز اتنی جامد ہے کہ اس میں سرمو تبدیلی نہ آسکے۔ بلکہ ہدایات کا ایک سیٹ وہ ہے جس کے بارے میں یہ طے ہے کہ یہ محفوظ ہے، اور اس کے اندر کوئی تبدیلی یا تغیر نہیں ہو سکتا، جبکہ دوسرا سیٹ حالات زمانہ کے پیش نظر غور و فکر اور تغیر کو قبول کرتا ہے۔

فلسفۂ قانون میں ایک چیز تفصیلی بحث و مباحثہ کا موضوع بنی رہی ہے اور آج بھی آپ کسی بھی فلسفۂ قانون کی کتاب کو دیکھ لیں، تو اس میں یہ بحث آپ کو ضرور ملے گی کہ کسی بھی معاشرے کے لئے اگر کوئی قانون بنایا جائے تو آیا اس میں کچھ قدریں ایسی ہونی چاہئیں کہ جن کو ہمیشہ کے لئے قابل نفاذ سمجھا جائے؟ اور وہ قابل تغیر نہ ہوں؟ یا یہ کہ سب چیزیں قابل تغیر ہونی چاہئیں؟ بڑی بحث و تمحیص کے بعد آخر کار فلاسفہ قانون اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ نہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ ہر چیز کو قابل تغیر قرار دیا جائے، اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر چیز کو جامد قرار دیدیا جائے، کچھ چیزیں قابل تغیر اور کچھ نا قابل تغیر ہونی چاہئیں، اور اگر کچھ چیزیں بھی قابل تغیر نہ ہوں تو

معاشرہ کسی جامد بنیاد پر قائم نہیں رہ سکتا۔

لیکن آگے سوال یہ پیدا ہوا کہ وہ کون شخص ہے جو یہ متعین کرے کہ فلاں چیز قابل تغیر ہے اور فلاں چیز قابل تغیر نہیں ہے۔ فلاسفہ قانون اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکے، بعض فلاسفہ قانون نے یہ لکھا کہ ہمارے پاس ایک چیز ایسی ہے جو اس کی بنیاد فراہم کرسکتی ہے، اور وہ ہے مذہب، لیکن مذہب کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے تو ساری چیزیں ناقابل تغیر ہوجائیں گی، کیونکہ جب بھی مذہب کا نام لیا جاتا تھا تو اس سے ان کا ذہن عیسائیت کی طرف ہی جاتا تھا۔ اس لئے ہمارے لئے پریشانی کا باعث یہ چیز بنی کہ وہ بنیاد کہاں سے تلاش کی جائے۔

اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق ہے، اور انسان کی نفسیات کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون جانتا ہوگا، اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ انسان کے لئے دونوں قسم کی چیزوں کی ضرورت ہے، ایک طرف قرآن وسنت کی وہ ہدایات ہیں جن کے اندر کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا، لیکن دوسری طرف اس کے عملی اطلاق کے لئے انسان کی سوچ و بچار، اس کی تحقیق کے لئے بڑا زبردست میدان ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ چونکہ پچھلی دو تین صدیوں سے اسلامی شریعت کے احکام اور اس کی راہنمائیاں عملی اطلاق سے محروم رہیں، بلکہ صحیح معنی میں یوں کہیں کہ انسانیت ان کے عملی اطلاق سے محروم رہی، اس وجہ سے اس کے ارتقائی پہلو لوگوں کے سامنے نہ آسکے، اور اس کے نتیجے میں یہ حالت ہوئی کہ مسلمان ملکوں اور مسلمان معاشروں میں بھی جب ہم معیشت یا تجارت کے میدان میں داخل ہوتے ہیں، تو اس میں اسلامی تعلیمات کی

کوئی پرچھائی مشکل ہی سے نظر آتی ہے، بلکہ لوگ اسلامی تعلیمات سے بے خبر ہوتے چلے گئے، اور جب مختلف افراد میں فطری جنگ کھڑی ہوئی تو مسلمانوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ خود ان کی گدڑی میں کیا لعل چھپے ہوئے ہیں، اس لئے کہ وہ اپنی شریعت سے بے خبر تھے۔

موجودہ نظام تعلیم کے نتیجے میں ایک بڑی زبردست خلیج حائل ہوگئی، ایک طبقے نے دین کو سمجھنے کی کوشش کی، لیکن وہ دنیا کے چلے ہوئے نظام یا حالات سے کما حقہ باخبر نہ ہوسکا، دوسرے طبقے نے دوسرا راستہ اختیار کیا، مگر وہ دین کی معلومات سے پوری طرح آگاہ نہ ہوسکا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دو ایسی ذہنیتیں وجود میں آگئیں جن کے درمیان ایسی زبردست خلیج حائل ہوئی، جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو نہیں سمجھتی تھیں، ایک دوسرے کی زبانیں نہیں سمجھتی تھیں، ایک دوسرے کی سوچ سے ہم آہنگ نہیں ہو پاتی تھیں، اس کے نتیجے میں ہمارا معاشرہ ایک عجیب وغریب کشمکش کا شکار ہوگیا۔

ہمارا یہ سینٹر فار اسلامک اکنامکس (Centre for Islamic Economics) جو کہ دار العلوم کا ایک شعبہ ہے، دراصل اسی مقصد کے لئے قائم کیا گیا ہے کہ مذکورہ دو طبقوں کے درمیان اور خاص طور پر معیشت کے میدان میں جو خلیج حائل ہے اس کو کسی طرح پاٹا جائے، جس وقت آپ اس کورس کا آغاز کر رہے ہیں، بالکل اسی وقت اس کے متوازی ایک دوسرا کورس تقریباً تین مہینے سے ان علماء کے لئے چل رہا ہے جو دینی علوم سے تو باخبر ہیں، مگر موجودہ معاشی حالات سے پوری طرح آگاہ

نہیں ہیں، اس کورس کے ذریعہ ان کو موجودہ معیشت کے حالات سے باخبر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، جبکہ دوسری طرف ایسے کورس بھی جاری ہیں جن میں اسلامی شریعت کے بنیادی خدوخال عام لوگوں کے سامنے پیش کئے جارہے ہیں۔

الحمدللہ! ابتدائی نوعیت کے کئی کورس سینٹر کی طرف سے بڑی کامیابی سے منعقد ہو چکے ہیں، اور اب پہلی بار پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ کورس (Post graduate diploma course) کا آغاز ہورہا ہے، اور مجھے یہ جان کر انتہائی مسرت ہوئی ہے کہ جونہی اس کورس کا اعلان کیا گیا تو اس میں ماشاء اللہ ہمارے مسلمان بھائیوں نے بڑی ہی دلچسپی اور لگاؤ کا اظہار کیا ہے، جس دلچسپی اور شوق سے اس میں شرکت کی جارہی ہے وہ بڑی ہمت افزا ہے، جس سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ہمارے نوجوان طبقے میں الحمدللہ اپنے دین کو سمجھنے کا ایک بڑا جذبہ پایا جاتا ہے، اور ان میں اس کی فکر ہے کہ کس طرح ہم اپنے دین کو صحیح سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوں، اس پر میں آپ سب حضرات کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

یہ ایک درمیانے درجے کا کورس ہے، اس سے پہلے والے کورسز ابتدائی نوعیت کے تھے، اور ظاہر ہے کہ ایک سال میں صرف چھٹیوں کے اوقات میں یہ ممکن نہیں ہے کہ اسلامی شریعت کا مکمل نظام اور اس کے تمام پہلو تفصیل کے ساتھ اس طرح سامنے آجائیں کہ اس سے شریعت کا عمیق اور وسیع علم حاصل ہوجائے، لیکن اس ڈپلومہ کورس (Diploma course) کے ذریعہ درمیانی سطح کا ایک معیار تجویز کیا گیا ہے، اور سوچ سمجھ کر اس کے لئے ایسا نصاب متعین کیا گیا ہے جس سے آپ

حضرات کے سامنے کم از کم اسلامی معیشت سے متعلق احکام وابواب اور اس کے تصورات وضاحت کے ساتھ آجائیں۔

دوسرے الفاظ میں، میں اس طرح کہوں گا کہ اب تک جو کورسز ہوتے رہے ہیں، ان کا زیادہ تر فوکس (Focus) بینکنگ (Banking) اور فائنانس (Finance) کی معلومات تھا، لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ بینکنگ (Banking) اور فائنانس (Finance) اسلامی احکام کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے، اور اس میں جو کچھ بھی کہا جاتا ہے، وہ درحقیقت بڑے وسیع تصورات پر مبنی ہے۔ اس لئے جب تک ان تفصیلات کو سمجھ نہ لیا جائے اس وقت تک ان جزوی تفصیلات کو مکمل طور پر نہیں سمجھا جاسکتا۔ لہٰذا اس کورس کا منشاء یہ ہے کہ ایک محدود دائرہ میں رہنے کے بجائے اسلامی شریعت کے مختلف ابواب کے بنیادی تصورات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کئے جائیں، اور آپ حضرات ان سے باخبر ہوں، ساتھ ساتھ اس میں عربی زبان کا بھی ایک حصہ رکھا گیا ہے، تاکہ عربی زبان سے اتنی مناسبت پیدا ہوجائے جس سے اسلامی تصورات کو سمجھنے میں مدد ملے، اور اس موضوع پر اردو میں یا انگریزی میں جو اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں، اور جو کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں، ان سے براہ راست استفادہ ممکن اور آسان ہو۔

میں سمجھتا ہوں کہ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ کورس پچھلے کورسوں سے زیادہ مددگار ثابت ہوگا، اور میں تہہ دل سے آپ حضرات کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے بڑی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ اس میں شرکت فرمائی، اور میں اپنے ان

سب بھائیوں کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس موقع پر اس کورس کے افتتاح میں تشریف لا کر ہمیں اعزاز بخشا۔

جناب پرویز سعید صاحب، جناب شجاع قدوائی صاحب، جناب شعیب قریشی صاحب اور دوسرے جن حضرات نے اس موقع پر تشریف لا کر ہماری ہمت افزائی فرمائی ہے، میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ الحمدللہ اس کورس کی ترتیب میں ہمارے مرکز کے چیف ایگزیکٹو جناب عمران صاحب کا بڑا زبردست حصہ ہے اور ان کے ساتھ مولانا مفتی محمد یحییٰ عاصم صاحب جو اس مرکز کے مفتی ہیں، ان دونوں نے شب وروز کی محنت کے بعد اس کورس کے آغاز کو ممکن بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم میں عمر میں اور ان کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے، اور اس کورس کو آپ حضرات کے لئے اور ہم سب کے لئے نافع اور مفید بنائے، اور اس کے ذریعہ اسلامی معیشت کو صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

دارالعلوم دیوبند

میں شیخ الاسلام مدظلہم کا اہم خطاب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مفتی محمد عبداللہ میمن
استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : دارالعلوم دیوبند، ہندوستان

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

دارالعلوم دیوبند

میں

شیخ الاسلام مدظلہم کا اہم خطاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ● وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ● مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ● وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ● وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ نَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ● صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً. اما بعد: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ● بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ● وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ ● آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم ● وصدق رسولہ النبی الکریم ● و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للّٰہ رب العلمین .

جنابِ صدر معظم، حضرات علماء کرام، میرے طالبعلم ساتھیو اور معزز

حاضرین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگی میں بے شمار مقامات پر خطاب کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے، ملک میں بھی اور بیرون ملک میں بھی، اپنی زبان میں بھی اور دوسری زبانوں میں بھی، لیکن مجھے یاد نہیں کہ کبھی کوئی خطاب مجھے اتنا مشکل معلوم ہوا ہو جتنا آج معلوم ہو رہا ہے، اور وجہ اسکی یہ ہے کہ دل جن ملے جلے جذبات سے معمور ہے، ان کو الفاظ کا جامہ پہنانا اور ان کے لئے مناسب تعبیرات تلاش کرنا مجھے انتہائی دشوار معلوم ہو رہا ہے۔

آپ حضرات نے جس محبت کے ساتھ، جس خلوص کے ساتھ مجھ ناکارہ کی عزت افزائی فرمائی اور جس محبت کا معاملہ فرمایا، میرے پاس اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے موزوں الفاظ موجود نہیں۔

آج کا یہ اجتماع، میرے ذہن میں یہ تھا کہ اپنے بچھڑے ہوئے ہم وطنوں، دوستوں، بزرگوں اور ساتھیوں سے ملنے کا اجتماع ہوگا، مقصود اس اجتماع کا میرے ذہن میں یہ تھا کہ محض ملاقات ہو اور ایک دوسرے سے تعارف ہو، مگر ماشاء اللہ یہ حد نگاہ تک پھیلے ہوئے سر ہی سر، اسکا مجھے پہلے سے اندازہ نہیں تھا، اور نہ یہ کہ مجھے کسی طویل خطاب کی نوبت آئے گی، لہٰذا اس موقع پر اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے چند تأثرات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے انہیں صحیح طور پر بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پہلی بات یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ دل ملے جلے جذبات سے

معمور ہے، یہ خاکِ دیوبند جس پر اللہ تعالیٰ نے آج مجھے بائیس سال کے بعد پہنچنے کی توفیق عطا فرمائی، یہ وہ خاک ہے جس سے خود میرے وجود کا خمیر اٹھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اس دیوبند کا باشندہ اور اس دیوبند کا فرزند ہونے کا شرف بخشا، میں شباب کے عہد تک پہنچنے سے پہلے یہاں سے رخصت ہوگیا تھا، اور بچپن ہی میں میں نے اس خاک کو خیر آباد کہا تھا، لیکن آج ساٹھ سال سے زیادہ مدت گزرنے کے بعد بھی اس خاک کی محبت، اس خاک کا عشق کبھی دل و دماغ سے محو نہیں ہوسکا، اور یہ عشق و محبت جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس خاک دیوبند سے عطا فرمایا، اس کی وجہ صرف یہ نہیں کہ میں یہاں پیدا ہوا، میرے خون کے رشتے یہاں پر موجود ہیں اور میرے اکابر کی ہڈیاں یہاں پر دفن ہیں، بلکہ اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اس شہر کی نسبت سے مشرف فرمایا ہے کہ جس شہر نے صرف ہندوستان ہی میں نہیں، صرف برصغیر ہی میں نہیں، پوری دنیا میں علم اور دین کا نور پھیلایا ہے، مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کے تقریباً ہر خطے کا سفر کروایا اور دنیا کے چھ براعظموں میں سے کوئی براعظم ایسا نہیں ہے جہاں مجھے بار بار جانے کا اتفاق نہ ہوا ہو، اور وہاں کے لوگوں سے ملاقات، وہاں کے حالات سے واقفیت کا موقع اللہ تبارک وتعالیٰ نے نہ دیا ہو، لیکن اس دنیا کے اردگرد جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں، کوئی جگہ مجھے ایسی نہیں ملی جہاں دیوبند کی روشنی نہ پہنچی ہو، اور جہاں دیوبند کے فرزند، چاہے وہ دیوبند کے نسبی فرزند ہوں، یا علمی فرزند ہوں، وہاں وہ کوئی نہ کوئی عظیم دینی خدمت انجام نہ دے رہے ہوں۔

ایک مرتبہ انڈونیشیا کے دور دراز علاقے میں، جہاں پہاڑی علاقہ تھا، وہاں مجھے میرے میزبان لے گئے، لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ مصروفیات کے ہنگاموں میں چند لمحات تفریح کے میسر آجائیں، وہ ایک پہاڑی مقام تھا، وہاں ہم گھومنے کیلئے نکلے، مغرب کی نماز کا وقت آنے والا تھا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے کسی مسجد میں لے جائیں، مسجد میں جاکر نماز مغرب پڑھی، جو صاحب امامت فرمارہے تھے، جب ان سے تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ دارالعلوم دیوبند کے فرزند ہیں۔

ایشیا ہو، یا افریقہ ہو، یورپ ہو، یا لاطینی امریکہ ہو، آسٹریلیا ہو، یا نیوزی لینڈ ہو، دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں دارالعلوم دیوبند کے فرزند براہ راست اس سے فیض حاصل کرنے والے، یا بالواسطہ ان کے شاگرد وہاں کوئی نہ کوئی عظیم دینی خدمت انجام نہ دے رہے ہوں۔ اور نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ایک چھوٹی سی بستی، جس کے اندر کوئی تمدنی حسن کا اندازہ نظر نہیں آتا، ایک چھوٹی سی بستی جس کی سڑکیں بھی پوری طرح پختہ نہیں، جس کے گھر بھی کچے ہیں، ایک ایسی بستی کا دنیا کے شہروں اور بستیوں سے تقابل کیا جائے تو ظاہری حسن کے اعتبار سے اس کا کوئی درجہ نظر نہیں آتا، لیکن اللہ جل جلالہ کی مقبولیت اور ہی چیز ہے، وہ چاہے تو خاک کے ایک ذرے کو آفتاب و ماہتاب بنادے، وہ چاہے تو خاک کے ایک ذرے سے وہ کام لے لے جو آفتاب و ماہتاب کے بھی بس میں نہ ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیوبند کی خاک کو ایسا ہی مقدس اور ایسا ہی ایمان افروز بنایا ہے کہ جہاں جہاں اس کا نور پہنچا ہے، جہاں جہاں اس کی روشنی پھیلی ہے، وہاں کے لوگ دیوبند سے واقف ہیں، ہم

عرب ممالک میں جاتے ہیں، عرب علماء سے ملتے ہیں، ان سے اگر ہندوستان کے کسی بڑے شہر کا نام پوچھو تو شاید سوائے دہلی اور ممبئی کے کسی اور شہر کا وہ نام نہیں لے سکیں، لیکن اگر وہ مشہور شہروں کے بعد کسی شہر کو جانتے ہیں تو وہ دیوبند کا شہر ہے، وہ اسلئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں کے اکابرین کو دین کی صحیح خدمت کرنے کی توفیق دی، جن کا نور پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔

میں اس موقع پر آپ حضرات کو کیا پیغام دوں، لیکن جی چاہتا ہے کہ ایک مختصر سا پیغام آپ حضرات کی خدمت میں اس موقع پر پیش کروں، وہ یہ کہ دیوبند کی شہرت، اس کی یہ نیک نامی، اس کا یہ تقدس جو دنیا کی آخری حدود تک پھیلا ہوا ہے، اس کا بنیادی سبب کیا ہے؟ میں یہ سوچتا ہوں کہ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اس دارالعلوم دیوبند نے علوم اور علم وتحقیق کے دریا بہائے، اگر یہ بات ہو تو میرے پاس ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی تو اور بھی بہت سی درسگاہیں ہیں، جن میں خالص علمی اور تحقیقی نوعیت کے کام ہوتے رہے ہیں، کیا اس دارالعلوم دیوبند کی شہرت اور ناموری اور اس کے نور کا سبب یہ ہے کہ اس دارالعلوم کے اندر کتب خانہ بڑا عظیم ہے، درس گاہیں بڑی شاندار ہیں، طلبہ بڑی کثرت سے یہاں پڑھتے ہیں؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ سبب بھی نمایاں نظر نہیں آتا، کیونکہ ایسی اور بھی بہت سی درسگاہیں ہیں جن میں طلبہ کی تعداد بھی زیادہ ہے، درس گاہیں بھی اچھی بنی ہوئی ہیں۔

یہاں میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے، کے الفاظ عرض کرتا ہوں۔ وہ فرمایا کرتے

تھے کہ دیوبند کو دیوبند بنانے والی صرف ایک چیز ہے، وہ ہے دین کی صحیح تعبیر، دین کا صحیح تصور، دین کے اوپر صحیح اعتدال والا عمل، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو اس خاک کے بوریہ نشینوں کو عطا فرمایا ہے وہ بڑے بڑے علماء و محققین میں نظر نہیں آتا، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے عرب ممالک میں بڑے بڑے محقق علماء دیکھے، تحقیق و تدقیق کے شناور بھی دیکھے، فصاحت و بلاغت کے شہسوار بھی دیکھے، لیکن وہ البیلا رنگ جو میں نے اپنے دیوبند کے اکابر کے اندر پایا، وہ ساری دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آیا۔

وہ فرماتے تھے کہ میں نے اکابر کو جس طرح پایا، دین اور سنت کی جو تعبیر انہوں نے اپنے قول ہی سے نہیں کی، اپنے علم سے، اپنے طرز عمل سے، اپنی زندگی کی اداؤں سے دنیا کے سامنے پیش کی ہے وہ نظیر ہمیں دنیا میں کہیں اور نظر نہیں آئی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے "**ما انا علیه و اصحابی**" کی مجسم تصویر میرے ان اکابر کو بنایا تھا، اور کبھی کبھی یہ شعر پڑھا کرتے تھے :

اولئک اباتی فجئنی بمثلھم　　　اذا جمعتنا یا جریر المجامع

مجھے جن اکابر کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے، ان کی نظیریں میں نے نہیں دیکھیں، بات یہ تھی کہ دین کی صحیح تعبیر، سنت کا صحیح مقام اور سنت کی عملی تصویر ان کی زندگی کے اندر رچی بسی ہوئی تھی۔ میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بچپن سے بچپن تک کا زمانہ دیوبند کے اندر گزارا، اور اگر کبھی دیوبند سے چند دنوں کے لئے باہر جانا پڑتا تو مجھے شاق گزرتا تھا، وہ فرماتے تھے کہ دیوبند کی بنیادی خصوصیت درحقیقت وہ بزرگ تھے، یہ حضرات "**ما انا علیه و اصحابی**" کی صحیح

تفسیر تھے، دین کا جو معتدل مزاج ہے، دین کی جو معتدل تفسیر ہے وہ اگر ہم نے کہیں دیکھی تو دیو بند کے اکابر میں دیکھی۔

آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ دین کے پانچ شعبے ہیں، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق۔ یہ پانچ شعبے مل کر دین بنتا ہے، تو میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ عقائد سے لے کر اخلاق تک پانچوں شعبوں میں ہمارے اکابر نے جو ایک معتدل مزاج اپنی تحریر و تقریر سے بھی اور اپنی عملی زندگی سے بھی پیش کیا، درحقیقت اسی کا نام دیو بندیت ہے۔ عقائد میں اعتدال ہے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دو کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں اور ان سے ایک کے اوپر مجھے بھی کچھ لکھنے کا اتفاق ہوا ہے، جس میں میں نے یہ عرض کیا تھا کہ مسلک دیو بند کو واضح کرنے کے لئے درحقیقت کسی الگ کتاب کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ کوئی فرقہ نہیں ہے جو جمہور امت سے ہٹ کر پیدا کر دیا گیا ہو، آپ اہل سنت کے عقائد کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھو، وہ مسلک علماء دیو بند ہے، اور قرآن و حدیث سے جو صحیح عقائد ثابت ہیں، ان کو اٹھا کر دیکھ لو وہ مسلک علماء دیو بند ہے، تو عقائد میں بھی اعتدال، عبادات میں بھی اعتدال، معاملات میں بھی اعتدال، معاشرت میں بھی اعتدال اور اخلاق میں بھی اعتدال، دین کی یہ صحیح تصویر ہے جو یہاں کے اکابر نے دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔

ایک جملہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا میرے کانوں میں گونجتا رہتا ہے، فرمایا کرتے تھے کہ ”وہ سب کچھ ہو کر بھی کچھ نہیں تھے“ یعنی علم و فضل کے پہاڑ تھے،

اور تحقیق و تدقیق کے شناور تھے، لیکن ان کے سراپا کو دیکھو تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کو اپنے علم و کمال کی ہوا بھی نہیں لگی، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر دو حرف علم کی تہمت قاسم کے سر پر نہ ہوتی تو لوگوں کو پتہ بھی نہ چلتا کہ قاسم کہاں پیدا ہوا، اور کہاں مر گیا، یہ حضرات ایسے تھے۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس اللہ سرہ مفتی اعظم ہند، جن کے فتاویٰ دس جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں، ان کی کسر نفسی دیکھئے، محلے کی بیوہ اور ضرورت مند عورتوں کا سودا سلف بازار سے لا دیتے، اور اس میں بہت ہی بار عجیب صورت حال پیش آتی، کبھی کوئی بڑی بی کہتی مفتی صاحب میں نے تو آپ کو ہرا دھنیا لانے کو کہا تھا، آپ پودینا اٹھا لائے، یا میں نے تو آپ کو پاؤ بھر کہا تھا، آپ تو آدھا پاؤ لے آئے، تو کہتے بی بی کچھ فکر نہ کرو، میں ابھی جاتا ہوں، مجھ سے غلطی ہوگئی، دوبارہ جا کر تمہارے مطلب کی چیز لے آتا ہوں، دوبارہ پہنچا دیتے، یہ مفتی اعظم ہند، نہ کوئی غرور، نہ کوئی تکبر، نہ اپنی ذات کے کمال کا کوئی احساس ہے، اپنے آپ کو مٹائے ہوئے ہیں، فنا کئے ہوئے ہیں، فرماتے تھے "یہ سب کچھ ہو کر بھی کچھ نہ تھے"

آج کی دنیا میں لوگوں نے دین نام رکھ لیا ہے صرف عقائد اور عبادات کا، معاملات میں حلال و حرام کی فکر نہیں، معاشرت میں حلال و حرام کی فکر نہیں، معاشرت کو دین سے خارج ہی کر دیا گیا ہے، گویا یہ دین کا حصہ ہی نہیں ہے۔ حالانکہ یہ دین کا عظیم حصہ ہے، اس کے بارے میں قرآن کریم اور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے کتابیں بھری ہوئی ہیں "المسلم من سلم

المسلمون من لسانه و یده" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد معاشرت کے تمام اصولوں کی بنیاد ہے، لیکن ہم بھول چکے ہیں اور اس کی خلاف ورزیاں کر رہے ہیں، اور خلاف ورزیاں کرنے کے بعد یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم سے کسی گناہ کا ارتکاب ہوا ہے، لیکن ان بزرگوں کا معاملہ یہ تھا کہ میں نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہ سے سنا کہ ان کی معاشرت اتنی زیادہ دوسروں کے خیال پر مبنی تھی کہ اپنی ذات سے کسی بھی دوسرے انسان کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں، میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ بعض اوقات کوئی شخص ان کے سامنے ایسی غلط بات کہہ دیتا تھا، جو بدیہی طور پر غلط ہوتی تھی، لیکن اس کے منہ پر اس کی اس طرح تردید کرنا جس سے اس کا دل ٹوٹے، یہ حضرت کو گوارہ نہیں تھا، کبھی زندگی بھر اس طرح تردید نہیں فرمائی، بلکہ اس کے قول کی کچھ اس طرح تاویل کر لیتے تھے کہ جس سے اس کی غلطی کی بھی اصلاح ہو جائے، ساتھ ہی اس کا دل بھی رہ جائے، میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ جب کسی نے کوئی غلط بات کہی تو اس کے جواب میں فرمایا "بھائی گویا کہ آپ کا یہ مطلب ہے" یا یہ فرما کر کہ "گویا کہ آپ کا یہ مطلب ہوگا" اس غلط بات کی تاویل کر کے، اس کو صحیح طریقے سے بتا کر اس کی غلطی پر بھی متنبہ کر دیا اور براہ راست منہ پر اس کی برائی یا اس کی دل آزاری بھی نہیں کی۔

آج کل یہ چیز کہاں؟ آج کل تو علم کا غرہ ہے، تحقیق کا پندار ہے اور اگر کسی سے کوئی غلطی ہوتی ہے تو اس میں اس بات کا لحاظ کہ اس انداز سے بات کہوں کہ

دوسرے کا دل نہ ٹوٹے، یہ کہاں ہے؟ یہ ان اکابر کا طغرائے امتیاز تھا جس پر انہوں نے اپنی زندگی میں عمل کر کے دکھایا۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ماشاء اللہ ان کے پوتے اب بھی موجود ہیں، ان کے اور حضرت مدنی قدس اللہ سرہ کے واقعات ہم نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنے ہیں، ہم نے اپنے والد ماجدؒ سے سنا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں شادی تھی، تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا، جب کہ اس وقت حضرت مدنیؒ شیخ الحدیث تھے، وہ اپنے سر پر مٹکا رکھ کر حضرت شیخ الہند کے گھر پہنچا رہے ہیں، اتنا بڑا شیخ الاسلام مگر اپنی ذات کا کوئی احساس ہی نہیں تھا، ان حضرات کے ایسے اخلاق فاضلہ تھے، فرماتے تھے کہ شریعت کی جو عملی تصویر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے اکابر کی زندگیوں میں دکھائی، وہ کہیں اور نظر نہیں آئی، اسی تصویر کا نام ہے دیوبندیت۔

تو بھائی پیغام جو ہمیں ملتا ہے وہ یہ کہ ہم الحمد للہ اپنے آپ کو دیوبند سے وابستہ کہتے ہیں، اور اس پر بجا طور پر فخر بھی کرتے ہیں، لیکن کیا واقعۃً اس دیوبند کی اس خصوصیت کا کوئی عکس، اس کا کوئی نشان ہماری اپنی زندگی میں موجود ہے یا نہیں؟ یہ ایک سوال ہے جو ہم میں سے ہر شخص کو اپنے آپ سے کرنا ہے، اور کیا واقعۃً ہم اپنے عمل سے دیوبند کے ان اکابر کی صحیح نمائندگی کر رہے ہیں یا نہیں؟ یہ ہمیں سوچنا ہے۔

دین نام ہے اعتدال کا، ہر چیز میں اعتدال، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر چیز

میں کچھ حدود بتائی ہیں "تلک حدود الله" ہر چیز کی حد مقرر ہے۔ کسی سے اختلاف ہے تو اختلاف کی بھی حد ہے، کسی سے محبت ہے تو محبت کی بھی حد ہے، کسی سے عقیدت ہے تو اس کی بھی حد ہے، ہر چیز ایک حد کی پابند ہے، اور ان حدود سے جب وہ متجاوز ہوتی ہے تو کبھی بدعت کی شکل اختیار کر لیتی ہے، کبھی گمراہی کی شکل اختیار کر لیتی ہے، کبھی کوئی فرقہ بن جاتا ہے، دین ان حدود کی حفاظت کا نام ہے، اور ان حدود کی حفاظت کے ذریعہ جب ہم دنیا کے سامنے کوئی عمل اور کردار پیش کریں گے تو وہ درحقیقت قابل تقلید ہوگا، وہ درحقیقت دیوبند کے اکابر کی صحیح نمائندگی ہوگا، اور اگر ہم نے ان حدود کی پابندی نہیں کی تو پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم دیوبند کی خصوصیت کو نہ سمجھ سکے، اس کو اپنی زندگیوں میں نہ ڈھال سکے، اور اس کے مطابق دیوبند کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے نہ پیش کر سکے، تو ہمیں اگر دیوبند کی طرف نسبت کرنی ہے تو بھائی ذرا محتاط ہونا پڑے گا۔

یامکن باپیل باناں دوستی   یا بناکن خانہ بر انداز پیل

یا تو فیل بانوں سے دوستی نہ کرو، یا پھر اپنا گھر ویسا ہی بناؤ جیسا وہ بناتے ہیں۔ تو اگر ہم دعویدار ہیں دیوبند سے نسبت کے، وہ چاہے علمی نسبت ہو، یا عملی نسبت ہو، تو پھر ہمیں اخلاق و کردار کا جائزہ لینا چاہئے اور ہر چیز کو اس کی حد پر رکھنا چاہئے، اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا جامع کمالات اس کائنات میں کون ہو سکتا ہے؟ لیکن آپ نے فرمادیا کہ میری اس طرح مبالغہ آمیز تعریفیں نہ کرو جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی کیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تعریف

کا شاید کوئی کلمہ بھی ایسا نہ ہو جو مبالغہ سمجھا جائے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا کہ خبردار میری تعریف میں ایسی مبالغہ آمیزی نہ کرو۔ اگر کسی سے محبت کا اظہار کرنا ہو، کسی سے عقیدت کا اظہار کرنا ہو تو وہ بھی حدود کا پابند ہونا چاہئے، کہنے والوں نے کہہ دیا کہ ہم تو محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمبردار ہیں، لہٰذا آپ کو یہ بھی کہیں گے اور وہ بھی کہیں گے، تو یہ محبت حدود سے متجاوز ہوگئی، اس نے بدعت یا شرک کی شکل اختیار کر لی۔

اور محبت سے بعض اوقات اسلامی احکام کی مخالفت بھی ہو جاتی ہے، جذبہ صحیح ہوتا ہے اور قابل قدر ہوتا ہے، مگر اس سے تکلیف پہنچ جاتی ہے، یا تو محبوب کو تکلیف پہنچ جاتی ہے، یا محبوب کے ساتھ والوں کو تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ ہم اپنی زندگی کو نظم و ضبط کا پابند بنائیں، دیکھئے سورۂ صافات میں فرمایا ''وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا'' قسم کھائی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے صف بنانے والوں کی، جو صف بناتے ہیں، مفسرین فرماتے ہیں، یا تو اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو صف بنا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہوتے ہیں، یا وہ نمازی ہیں جو صف سیدھی کر کے نماز کے اندر کھڑے ہوتے ہیں، یا وہ غازی ہیں جو صفوں کو درست رکھ کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، یہ سارے کام بھیڑ بھڑکا سے بھی ہو سکتے تھے، عبادات میں بھیڑ بھڑکا بھی ہو سکتا تھا، دھکا پیل بھی ہو سکتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے تعریف اس بات کی فرمائی کہ بدنظمی کے ساتھ اور بے ترتیبی کے ساتھ اور اس طرح لاقانونیت کے ساتھ وہ عبادت نہیں

کرتے، عبادت کرتے ہیں تو صف بنا کر کرتے ہیں، یہ قسم کھائی اللہ تعالیٰ نے، تو ہمیں نظم وضبط کی تلقین فرمائی گئی، مسجد میں جاؤ تو یہ آداب ہیں، مسجد میں جاؤ تو صف بناؤ، نظم وضبط کا اتنا بڑا حکم دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، لیکن اگر ہم محبت کے اظہار میں ان احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو بھائی یہ دیوبند والی بات نہ ہوئی، یہ دیوبند کے اکابر والی بات نہ ہوئی۔

لہٰذا میری گزارش یہ ہے کہ دیکھو جلسے، بہت ہوتے رہتے ہیں، اور اجتماعات بھی، سو وہ محض رسمی اجتماع ہو کر ختم ہو جاتے ہیں، اگر رسمی طور پر اجتماع کرنا ہو تو وہ زیادہ سے زیادہ مباح ہوگا، لیکن اجتماع وہ ہے جس میں آدمی کوئی سبق لے کر اٹھے، اور اپنی زندگی میں اس کی بناء پر کوئی تبدیلی لانے کا عزم کرے، وہ ہے اجتماع صحیح معنوں میں، ورنہ نشستند، گفتند و برخاستند۔ لیکن اگر اجتماع اس لئے ہے کہ اس میں دین کی کوئی بات سیکھی اور فوراً اس پر عمل کرنے کا پکا ارادہ کر لیا تو وہ اجتماع اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے بڑا عظیم ہے، اس کے فوائد دنیا وآخرت میں ملیں گے، وہ دنیا کے لئے ایک مثال بنے گا۔

میں آج یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں، پہلے اپنے نفس سے، اور اس کے بعد تمام حاضرین سے کہ آج ہم اس اجتماع سے یہ سبق لے کر اٹھیں کہ ہم جن بزرگوں سے وابستہ ہیں، جن کی بناء پر دیوبند دیوبند بنا، ان کی سیرتوں کو پڑھیں گے، اور ان کی سیرتوں کو اپنی زندگیوں میں اپنانے کی کوشش کریں گے، جن میں سے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ دین صرف عبادات وعقائد کا نام نہیں، دین معاملات کی بھی درستگی کا نام

ہے، معاشرت کی درستگی کا بھی نام ہے، اخلاق کی درستگی کا بھی نام ہے، اب میں بہت زیادہ تفصیل میں نہیں جاسکتا، ماشاء اللہ آپ سب حضرات اہل علم ہیں، علم دین کے طالب علم ہیں، لہٰذا میں بہت زیادہ تفصیل میں نہیں جاتا، ہم یہ عزم لے کر اٹھیں کہ جب یہ اجتماع ختم ہوتو نظم وضبط کے ساتھ ختم ہو، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ اجتماع اس بھیڑ بھڑ کے ساتھ ختم ہوتا ہے، جس طرح شروع ہوا تھا، یا نظم وضبط کے ساتھ ختم ہوتا ہے؟ کیوں بھائی نظم وضبط کے ساتھ ختم ہوگا؟ ترتیب کے ساتھ ختم ہوگا؟ کسی کو تکلیف نہیں پہنچے گی؟ کسی کو دھکا نہیں دیا جائے گا؟ وعدہ ہے؟ تو اگر یہ فائدہ حاصل ہوگیا تو انشاء اللہ بہت بڑا فائدہ حاصل ہوگیا۔

میں ایک بات اور عرض کر کے بات ختم کرتا ہوں کہ بھائی دیوبند کے نام لیوا ہونے کے ناطے انشاء اللہ یہ عزم کر کے یہاں سے اٹھیں کہ اکابر دیوبند کی سیرتوں کا مطالعہ کریں گے، اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے، اور اپنی زندگی کو نظم وضبط کا پابند بنائیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ماحولیاتی آلودگی

اوراس کے اسباب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط وترتیب

مفتی محمد عبداللہ میمن

استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز

لیاقت آباد نمبرا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : مؤسسة آل البيت للفكر الاسلامی، اردن

تاریخ خطاب : ۲۷؍ستمبر ۲۰۱۰

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

ماحولیاتی آلودگی

اور اس کے اسباب

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی کو موسسہ آل البیت للفکر الاسلامی کی طرف سے اردن میں شریعت اسلامیہ کی روشنی میں ''ماحولیاتی آلودگی'' کے موضوع پر منعقد ہونے والے پندرہویں اجلاس منعقدہ ۲۷ تا ۲۹ ر ستمبر ۲۰۱۰ء میں مدعو کیا گیا تھا، جہاں حضرت والا نے فی البدیہہ عربی خطاب فرمایا تھا، اس خطاب کا اردو ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے.... (میمن)

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و مولانا محمد خاتم النبیین وامام المرسلین وقائد المتقین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین و علی کل من تبعھم باحسان الی یوم الدین. اما بعد

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ نے ہمارے لئے اس مبارک ملاقات کو میسر فرمایا، اور ہمیں شریعت اسلامیہ کی روشنی میں ''ماحولیاتی آلودگی'' کے موضوع پر غور کرنے کی توفیق بخشی، پھر میں عالی جناب امیر غازی بن

محمد (حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہ) کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس ملاقات کا انتظام فرمایا، اور مؤتمر کی بہترین میزبانی اور اعلیٰ انتظامات کا اہتمام فرمایا، اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزاء عطا فرمائیں اور ان کی ان قیمتی اہداف میں صحیح سمت کی طرف رہنمائی فرمائیں، جن کے لئے وہ کوشاں ہیں، واللہ سبحانہ ہوالموافق

واقعہ یہ ہے کہ میں اس مؤتمر کے لئے اپنی مصروفیات اور پے در پے اسفار کی بنا پر کوئی مقالہ تیار نہیں کر سکا، اور اسی وجہ سے میں یہاں مقالہ نگار یا متکلم بن کر نہیں، بلکہ استفادے کی غرض سے حاضر ہوا تھا، لیکن میں نے پروگرام کو دیکھا کہ میرا نام اس نشست میں گفتگو کرنے والوں میں شامل کیا گیا، لہٰذا یہ جانتے ہوئے کہ فاضل مقالہ نگاروں نے اپنی قیمتی ابحاث میں اس موضوع پر مختلف پہلوؤں سے بحث فرمائی ہے، میں اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ایک بات پر زور دینا چاہتا ہوں، جس کی طرف ماحولیاتی آلودگی کے مسئلے کے حل کی تلاش میں توجہ دینا مناسب ہے۔

آج کل جب کوئی مادیت سے متأثر آدمی ماحولیات کے تحفظ کے بارے میں بات کرتا ہے، تو وہ یہ سوچ کر اس پر غور کرتا ہے کہ یہ ایک ٹھیٹھ مادی موضوع ہے، لہٰذا مثال کے طور پر وہ صفائی ستھرائی اور صرف اس کے ظاہری تقاضوں کے بارے میں گفتگو کرے گا، البتہ جہاں تک اسلامی نقطۂ نظر سے ماحول کے تحفظ کا تعلق ہے تو وہ اس سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے، اور جب ہم اس موضوع سے متعلق احکام شرعیہ پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ احکام شریعت نے

''صفائی'' میں دو بہت ہی اہم بنیادی اصولوں کا اضافہ فرمایا ہے، جنہیں مادیت پرست ذہنیت نے نظر انداز کیا ہے، اور وہ اصول ہیں : طہارت اور تزکیہ

جہاں تک صفائی ستھرائی کا تعلق ہے، تو واقعۃً وہ شرعی تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا ہے، جس کی اسلامی شریعت کے بہت سے احکام میں تاکید فرمائی گئی ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد امام ترمذیؒ اور دیگر ائمہ نے نقل فرمایا کہ ''اپنے گھروں کے ماحول کو صاف ستھرا کرو'' اسی طرح وہ احادیث مبارکہ ہیں جن میں انسان کے جسم، رہائش، غذاؤں، اور اس کی فضا کی صفائی کی اہمیت کو تاکید کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، جس میں انسان جیتا ہے، ان میں سے بہت سے احکام کی تشریح اس مؤتمر میں پیش کئے جانے والے مقالوں میں فرمائی گئی ہے، لہٰذا میں اپنی گفتگو میں انہیں دھرانا نہیں چاہتا، البتہ میں ان دو آخری بنیادی نکات پر زور دینا چاہوں گا، یعنی طہارت اور تزکیہ۔ ان دونوں باتوں کا ماحولیات کی درستگی اور خرابی پر کیا اثر پڑتا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فضائی آلودگی کے اسباب دو قسم کے ہیں، پہلی قسم ان اسباب کی ہے جنہیں ہم اپنی ظاہری نگاہ سے دیکھ سکتے ہیں، اور دوسری قسم ان معنوی اسباب کی ہے جنہیں آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا، لیکن ماحول کی صفائی اور آلودگی پر ان کا بڑا اثر پڑتا ہے، چاہے وہ بلا واسطہ طور پر ہو، یا بالواسطہ طریقے سے ہو، اور تزکیہ کا ان اسباب کے ازالے میں بڑا مؤثر کردار ہے۔

جہاں تک طہارت کا تعلق ہے تو وہ نظافت (صفائی) کے علاوہ ایک اضافی

چیز ہے، یعنی شریعت اسلامیہ کی رو سے ہر ''نظیف'' (صاف) چیز طاہر (پاک) نہیں ہوتی، اور نہ ہی ہر طاہر چیز ''نظیف'' ہوتی ہے، اگر ہم فرض کریں کہ ایک شخص نے اچھی طرح غسل کیا، اور ظاہری صفائی کے تمام اسباب جیسے صابون، شامپو اور مختلف خوشبوئیں استعمال کیں، اور حمام سے اس طرح نکلا کہ وہ خوشبو سے مہک رہا تھا، لیکن جونہی نکلا، کسی وجہ سے اس کا وضو جاتا رہا، تو یہ وضو کا جاتا رہنا اس کی ظاہری صفائی پر تو ادنیٰ سا بھی اثر نہیں کرے گا، لیکن اس کی طہارت (پاکی) کو زائل کر دے گا، جس کی وجہ سے وہ اگر اس وقت نماز پڑھنا چاہے تو اس کو حکم یہ ہے کہ وہ نماز شروع کرنے سے پہلے وضو کرے، اس کے برعکس جو رطوبتیں منہ اور ناک سے نکلتی ہیں، وہ ہیں تو پاک، لیکن نظیف نہیں ہیں، اور اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد سے ہٹانے اور کھرچنے کا حکم فرمایا ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس ان کو ہٹایا بھی ہے۔

غرض یہ کہ اسلام طہارت اور نظافت دونوں کی تاکید کرتا ہے، اور محض کسی ایک پر اکتفاء نہیں کرتا، کیونکہ جس طرح نظافت حسی آلودگی کو دور کرنے کا ذریعہ ہے، اسی طرح طہارت معنوی آلودگی کو دور کرنے کا ذریعہ ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ وسیع اور ہمہ گیر شئی تزکیہ ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر تزکیہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اہم مقاصد میں ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ

(آل عمران:١٦٤)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے''

اگر چہ تزکیہ کا وسیع مفہوم طہارت اور نظافت کو بھی شامل ہے، لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد کے سیاق میں اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ انسان کو بُرے باطنی اخلاق جیسے تکبر، حسد، حب مال، حب جاہ، تعیش پسندی اور اس جیسی خصلتوں سے پاک کیا جائے، جنہیں علماء طریقت ''رذائل'' کا نام دیتے ہیں، اسی طرح تزکیہ میں انسان کو اچھے اخلاق جیسے اخلاص، تواضع، ایثار، بردباری، قناعت اور ان جیسی دوسری صفات سے آراستہ کرنا داخل ہے، جنہیں علماء ''اخلاق فاضلہ'' سے تعبیر فرماتے ہیں، اور یہ انسان کے باطن کو پاک کرنا ہے، جس طرح کہ طہارت اور نظافت کا مقصد انسان کے ظاہر کو پاک کرنا ہے۔

اس تمہید کے بعد اگر ہم ان فضائی مسائل کو بنظر غائر دیکھیں جن کی وجہ سے ہمارے اس کرۂ ارضی کو ہمہ گیر خطرات لاحق ہیں، جیسے غلاف اوزون کا پھٹ جانا، گرمی کا بڑھ جانا، موسم میں تبدیلیاں واقع ہونا، نئی بیماریوں کا پیدا ہو جانا، جن کے بارے میں اس سے پہلے کوئی علم ہی نہیں تھا، اور گیسز اور مختلف کیمیائی مواد کے

ذریعہ پیدا ہونے والی بیماریاں، تو ان تمام چیزوں کا سبب آخرکار ہماری تعیش پسندی، شہوات اور لذت میں انہماک، مال اور منافع کو کسی بھی طریقے سے کمانے اور پیداوار کو غیر فطری تیز رفتاری سے بڑھانے کی محبت، اور ذاتی خواہشات کو معاشرے کے مفاد پر اور جلدی حاصل ہونے والے فوائد کو دیرپا فوائد پر ترجیح دینا ہی ثابت ہوتا ہے۔

ان محرکات کو سدھارنے کا تزکیہ کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، جو کہ انبیاء (علیہم السلام) کی بعثت اور خاص طور پر خاتم الانبیا علیہ افضل الصلوات و التسلیم کی بعثت کا ایک اہم مقصد ہے۔

یقیناً اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کائنات کو ایک حکیمانہ توازن کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، اور اسی طرف ارشاد باری تعالیٰ میں اشارہ فرمایا گیا ہے:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ (سورۃ الرحمٰن: ۷، ۸، ۹، ۱۰)

''اور آسمان کو اسی نے بلند کیا ہے، اور اسی نے ترازو قائم کی ہے، کہ تم تولنے میں ظلم نہ کرو، اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو، اور تول میں کمی نہ کرو، اور زمین کو اسی نے ساری مخلوقات کے لئے بنایا ہے''

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میزان کو زمین اور آسمان کے درمیان

میں ذکر فرمایا ہے، اور انسان کو میزان میں ظلم نہ کرنے کا حکم دیا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آسمان وزمین اس توازن کے ذریعہ قائم ہیں، جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور زبردست قدرت کے ذریعے کائنات کی قوتوں میں ودیعت فرمایا ہے، اور اسی توازن میں زمین اور زمین والوں کی بہبود موقوف ہے، اور جو کچھ بھی اس حکمت آمیز توازن میں خلل ڈالتا ہے، وہ درحقیقت زمین میں بگاڑ (فساد) پیدا کرنے اور سرکشی کا مرتکب ہوتا ہے، جس کی قرآن حکیم نے مذمت فرمائی ہے، اور جس سے تمام انسانیت کو ڈرایا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ٹیکنالوجی کے آلات نے بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کو پورا کرنے میں ایک بہت بڑا کردار ادا کیا ہے، لیکن جب مذکورہ بالا بُرے محرکات کے تحت زندگی کے ہر شعبے میں ٹیکنالوجی کے آلات کو اس قدر وسعت کے ساتھ کسی پابندی کے بغیر استعمال کیا گیا، تو یہی چیز ہے جس نے اس توازن میں خلل ڈالا، کیونکہ (مادی دنیا کے پاس) کوئی ایسی اقدار تو تھیں نہیں جن کے ذریعہ ان محرکات کو معقول حدود کے اندر لایا جا سکے، اور نہ کوئی ایسا معیار موجود تھا، جس کے ذریعہ معقول اور غیر معقول میں تمیز کی جا سکے۔

اس سے واضح ہوا کہ انسانی معاشرے کو اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ وہ زندگی میں توازن پیدا کرنے والے معیاروں کو درست کرے، لہٰذا فضائی آلودگی کے مسئلے (کا حل) صرف یہ نہیں ہے کہ فضا کو اس گندگی سے صاف کرنے کی ایسی کوشش کی جائے جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں، بلکہ ہمیں اس کی بھی ضرورت

ہے کہ ہم زندگی میں اپنے چال چلن کو درست کریں، اور ڈھانچے کو متعین کریں جس پر ہم نے ترقی کے راستوں کو تعمیر کیا ہے، آیا وہ ہماری زندگی کے حقیقی تقاضوں پر مبنی ہیں، یا خواہشات اور نفسانی اغراض کی پیروی پر؟ اور ان معیاروں کو درست کرنے کا سوائے اسکے کوئی راستہ نہیں کہ دونوں کے درمیان ایک واضح حد فاصل قائم کی جائے۔

لہٰذا فضا کے مسئلے کے حل کیلئے یہ ضروری ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے علوم سے واقف حضرات کے درمیان اور علماء شریعت کے درمیان ایک رابطہ قائم ہو، تاکہ وہ اس حد فاصل تک رسائی حاصل کرسکیں جسے ہم زندگی کے ڈھانچے کی از سر نو تعمیر میں اپنا نصب العین بنائیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ مؤتمر اس رابطے کو قائم کرنے اور اس مسئلے کو ایک نئے زاویے اور گہرے نقطۂ نظر سے دیکھنے کی تمہید ثابت ہوگی، جو مسئلے کی ان وجوہات کی اصل جڑ تک پہنچے جو انسان کے اخلاق میں پوشیدہ ہیں۔

واللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ و لی التوفیق

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العلمین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز تعلیم و تربیت

اور اس کے انقلابی اثرات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد انور حسین

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبرا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامعہ دارالعلوم کراچی۔
اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز تعلیم وتربیت

اور اس کے انقلابی اثرات

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم . امّا بعد:

محسن انسانیت، سرور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لئے ایک عظیم اور مثالی معلم بن کر تشریف لائے تھے، ایسے معلم جن کی تعلیم وتربیت نے صرف تیس سال کی مختصر مدت میں نہ صرف پورے جزیرۂ عرب کی کایا پلٹ کر رکھ دی، بلکہ پوری دنیا کے لئے رشد وہدایت کی وہ ابدی قندیلیں بھی روشن کر دیں، جو رہتی دنیا تک انسانیت کو عدل وانصاف، امن وسکون اور عافیت و اطمینان کی راہ دکھاتی رہیں گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس سال کی مختصر سی مدت میں جو حیرت انگیز انقلاب برپا کیا، اس برق رفتاری اور اس کے ہمہ گیر اثرات نے ان لوگوں کو بھی

انگشت بدنداں کر دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مشن کے سخت مخالف رہے ہیں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا حیرت انگیز کرشمہ تھا کہ تیس سال کی مختصر مدت میں صحرائے عرب کے جو وحشی علم و معرفت اور تہذیب و تمدن سے بالکل کورے تھے، وہ پوری دنیا میں علم و حکمت اور تہذیب و شائستگی کے چراغ روشن کرتے ہیں، جو لوگ کل تک ایک دوسرے کے خون سے اپنی پیاس بجھا رہے تھے وہ آپس میں بھائی بھائی بن جاتے ہیں، جہاں ہر طرف قتل و غارت گری کی آگ بھڑک رہی تھی، وہاں امن و آشتی کے گلاب کھل اُٹھتے ہیں، جہاں ظلم و بربریت کا دور دورہ تھا، وہاں عدل و انصاف کی شمعیں روشن ہو جاتی ہیں، جہاں پتھر کے بتوں کو سجدے کئے جا رہے تھے، وہاں توحید کا پرچم لہرانے لگتا ہے، اور بالآخر عرب کے ہی صحرا نشین جو اپنی جہالت کی وجہ سے دنیا بھر میں ذلیل و خوار تھے، ایران و روم کی عظیم سلطنتوں کے وارث بن جاتے ہیں، اور ساری دنیا اس کے عدل و انصاف، اُن کی رحم دلی اور اُن کی شرافتِ نفس کے گن گانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا جو سو فیصد نتیجہ دنیا نے دیکھا ہے، تاریخ انسانیت کے کسی اور معلم کے یہاں اس کی نظیر نہیں ملتی، آج ہم اسی بات کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کی وہ کیا بنیادی خصوصیات تھیں، جنہوں نے دنیا بھر میں یہ حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا۔

موضوع تو بڑا طویل اور تفصیل کا محتاج ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندازِ تعلیم و تربیت کی تمام خصوصیات کا احاطہ کسی بھی انسان کے

لئے ممکن نہیں ہے، لیکن آج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تربیت کی صرف دو خصوصیات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جو اپنی محدود بصیرت اور مطالعہ کی حد تک مجھے سب سے زیادہ بنیادی معلوم ہوتی ہیں :

ان میں سے پہلی خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت، دلسوزی و خیر خواہی اور رحم دلی و نرم خوئی ہے، چنانچہ قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت کا ذکر فرما کر اُسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا بہت بڑا سبب قرار دیا ہے، ارشاد فرمایا :

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (القرآن)

''پس یہ اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لئے نرم خو ہو گئے، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم درشت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے منتشر ہو جاتے''

جس شخص نے بھی سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ مطالعہ کیا ہے، وہ جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے، آپ کو طرح طرح سے اذیت پہنچائی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت اس بات کی گواہ ہے کہ آپ کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی

انتقام کا جذبہ پیدا نہیں ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن پر غضب ناک ہونے کے بجائے ان پر ترس کھاتے تھے کہ یہ لوگ کیسی سنگین گمراہی میں مبتلا ہیں، اور ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ئی یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ وہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے حق بات ان کے دل میں اُتر جائے، اور یہ ہدایت کے راستے پر آجائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کے معلم نہ تھے کہ محض کوئی کتاب پڑھا کر، یا درس دے کر فارغ ہو بیٹھتے ہوں، اور یہ سمجھتے ہوں کہ میں نے اپنا فریضہ ادا کر دیا، اس کے بجائے آپ اپنے زیر تربیت افراد کی زندگی کے ایک ایک شعبہ میں دخیل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہر دکھ درد میں شریک اور ہر لمحہ ان کی فلاح و بہبود کے لئے فکر مند رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی وصف کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبة:١٢٨)

''بلاشبہ تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جس پر تمہاری مشقت گراں گزرتی ہے، اور جو تمہاری بھلائی کا بے حد حریص ہے، اور مسلمانوں پر بے حد شفیق اور مہربان ہے''

علامہ نور الدین ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں مسند احمدؒ اور معجم طبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک نوجوان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے آکر عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت

دیدیجئے؟''..... ذرا تصور تو کیجئے کہ کیا فرمائش کی جارہی ہے؟ ایک ایسے گناہ نے گناہ کو حلال قرار دینے کی فرمائش جس کی قباحت وشناعت پر دنیا بھر کے مذاہب و ادیان متفق ہیں، اور یہ فرمائش کس سے کی جارہی ہے؟ اس برگزیدہ ہستی سے جس کی عفت وعصمت کے سامنے فرشتوں کا بھی سر جھک جاتا ہے، کوئی اور ہوتا تو اس نوجوان کو مار پیٹ کر، یا کم از کم ڈانٹ ڈپٹ کر باہر نکلوادیتا، لیکن یہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تھے، جن کا کام برائی پر خفگی کا اظہار کر کے پورا نہیں ہوجاتا تھا، بلکہ جو اس برائی کے علاج کو بھی اپنا فریضہ سمجھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس نوجوان کے خلاف بغض وغضب کے بجائے ہمدردی اور رحم کے جذبات پیدا ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناراض ہونے کے بجائے اُسے پیار کے ساتھ اپنے پاس بلایا، اپنے قریب بٹھایا، اس کے کندھے پر مشفقانہ ہاتھ رکھا، اور محبت بھرے لہجے میں فرمایا ''اچھا یہ بتاؤ کہ جو عمل تم کسی اجنبی خاتون کے ساتھ کرنا چاہتے ہو، اگر کوئی دوسرا شخص تمہاری ماں کے ساتھ کرنا چاہے تو کیا تم اس کو گوارا کرلوگے؟'' نوجوان کے ذہن وفکر کے بند دریچے ایک ایک کر کے کھلنے لگے، اس نے کہا ''نہیں یا رسول اللہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تو پھر دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے یہ بات پسند نہیں کرتے، اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص تمہاری بہن کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو کیا تم اس کو گوارا کرلوگے؟'' نوجوان نے عرض کیا ''نہیں یا رسول اللہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جو بات تمہیں اپنی بہن کے لئے گوارا نہیں، دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں کے ساتھ اسے پسند نہیں

کرتے'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اس نوجوان کو مثالیں دیدے کر سمجھاتے رہے، اور آخر میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا بھی فرمائی کہ ''اللّٰهم اغفر ذنبه و طهّر قلبه و حصّن فرجه'' یا اللہ اس کے گناہ کو معاف فرما دیجئے، اور اس کے قلب کو پاک کر دیجئے، اور اس کی شرمگاہ کو عفت عطا فرمائیے، یہاں تک کہ جب وہ مجلس سے اُٹھا تو اس گھناؤنے عمل سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو چکا تھا۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نوجوان پر غیظ وغضب کا اظہار کر کے اپنے مشتعل جذبات کی تسکین کر سکتے تھے، لیکن اس صورت میں آپ کو اس نوجوان کی زندگی تباہ ہوتی نظر آ رہی تھی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم خوئی، حکمت اور تدبر وتحمل ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ نوجوان ہلاکت کے گڑھے سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا، کاش کہ آج کے مصلحین، اساتذہ اور واعظین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل پیرا ہو سکیں تو آج اُنہیں اپنے نوجوانوں کی بے راہ روی کی شکایت نہ رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تعلیم وتربیت کی دوسری اہم خصوصیت جسے میں اہمیت کے ساتھ اس وقت ذکر کرنا چاہتا ہوں، اور جو احقر کی نظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تربیت کی سب سے زیادہ مؤثر خصوصیت ہے، اور وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو جس جس بات کی تعلیم دی، اس کا بذات خود عملی نمونہ بن کر دکھایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ ونصائح اور آپ صلی

---

(۱) مجمع الزوائد ج:۱ ص:۱۲۹، طبع بیروت، کتاب العلم باب فی أدب العالم

اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت صرف دوسروں کے لئے نہ تھی، بلکہ سب سے پہلے اپنی ذات کے لئے تھی، اللہ تعالیٰ نے بہت سے معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رخصت وسہولت عطا فرمائی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رخصت وسہولت سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے اپنے آپ کو دوسرے تمام مسلمانوں کی صف میں رکھنا پسند فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز کی تلقین فرمائی، تو خود اپنا عالم یہ تھا کہ دوسرے اگر پانچ وقت نماز پڑھتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ وقت نماز ادا فرماتے تھے، جس میں چاشت، اشراق اور تہجد کی نمازیں شامل ہیں، تہجد عام مسلمانوں کے لئے واجب نہ تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھا، اور تہجد بھی ایسی کہ کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آجاتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف نہیں فرمادیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی محنت اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟'' آپ نے فرمایا کہ ''بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ کرم فرمایا ہے، لیکن کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو نماز باجماعت کی تعلیم دی تو خود یہ عمل کر کے دکھایا کہ ساری زندگی نماز باجماعت کی جو پابندی فرمائی وہ تو اپنی جگہ ہے عین مرض وفات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی جماعت کو نہیں چھوڑا، بلکہ دو آدمیوں کے کندھے کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے، اور جماعت کے

ساتھ نماز ادا کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسروں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ عام مسلمان اگر رمضان کے فرض روزے رکھتے تھے، تو آپ کا کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہ تھا، عام مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ صبح کو روزہ رکھ کر شام کو افطار کر لیا کریں، لیکن خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی روز مسلسل اس طرح روزے رکھتے تھے کہ رات کے وقت میں بھی کوئی غذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ میں نہیں جاتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو زکوۃ دینے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی تاکید فرمائی تو سب سے پہلے خود اپنی عملی زندگی میں اس کا بے مثال نمونہ پیش کیا، عام مسلمانوں کو اپنے مال کا چالیسواں حصہ فریضے کے طور پر دینے کا حکم تھا، اور اس سے زیادہ حسب توفیق خرچ کرنے کی تلقین کی جاتی تھی، لیکن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ تھا کہ اپنی فوری ضرورت کو نہایت سادہ طریقے سے پورا کرنے کے بعد اپنی ساری آمدنی ضرورت مند افراد میں تقسیم فرما دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تک گوارا نہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وقتی ضرورت سے زائد ایک دینار بھی گھر میں باقی رہے۔ ایک مرتبہ عصر کی نماز کے بعد خلاف معمول فوراً گھر میں تشریف لے گئے، اور جلد ہی باہر واپس آئے، صحابہ کرام نے وجہ پوچھی تو فرمایا "مجھے نماز میں یاد آیا کہ سونے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے، مجھے خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آ جائے، اور وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے گھر میں پڑا رہ جائے'' حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ گھر میں تشریف لائے، میں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا ''ام سلمہؓ کل جو سات دینار آئے تھے، شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے'' حد یہ ہے کہ مرض الوفات کی حالت میں جب کہ بیماری کی تکلیف نے سخت بے چین کیا ہوا ہے، آپ کو یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں، فوراً حکم دیتے ہیں کہ ''انہیں خیرات کردو، کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب سے اس طرح ملے گا کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں''

عام مسلمانوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ تھی کہ جوش میں آکر اپنی ساری پونجی خیرات کردینا مناسب نہیں، بلکہ اپنی ضرورت کے مطابق مال اپنے پاس رکھ کر باقی کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو، لیکن مسلمانوں کو اس تعلیم کا عادی بنانے کیلئے خود آپ نے اپنے عمل کا نمونہ پیش فرمایا کہ گھر میں کوئی نقدی باقی نہ چھوڑی، تاکہ لوگ اس مثالی طرز عمل کو دیکھ کر کم از کم اس حد تک آسکیں جو اسلام کو عام مسلمانوں سے مطلوب ہے، چنانچہ انسانیت کے اس معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی عملی تربیت کا نتیجہ تھا کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ :

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (ال عمران:۹۲)

''تم نیکی کا مقام ہرگز اس وقت تک حاصل نہ کرسکو گے، جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو''

تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس آیت پر عمل کرنے کے لئے

مسابقت کا جو غیر معمولی مظاہرہ فرمایا، وہ تاریخ انسانیت میں اپنی مثال آپ ہے، اس آیت کے نازل ہونے پر تمام صحابہ کرامؓ نے اپنی پسندیدہ ترین اشیاء خیرات کر دیں، اور ایسی ایسی محبوب چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جنہیں وہ سالہا سال سے حرز جان بنائے ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو زہد و قناعت کی تعلیم دی، تو خود اپنی زندگی میں اس کا عملی نمونہ پیش کر کے دکھایا، غزوۂ احزاب کے موقع پر جب بعض صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شدت کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھایا کہ اس پر پتھر بندھا ہوا ہے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں اپنا بطن مبارک کھول کر دکھایا جس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مساوات اور بھائی چارے کی تعلیم دی تو سب سے پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا کہ اگر دوسرے مسلمان عام سپاہی کی حیثیت میں مدینہ طیبہ کے دفاع میں خندق کھودنے کی مشقت برداشت کر رہے تھے تو ان کا آقا اور امیر (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف قیادت و نگرانی کا فریضہ انجام نہیں دے رہا تھا، بلکہ بہ نفس نفیس کدال ہاتھ میں لے کر خندق کھودنے میں شریک تھا اور زمین کا جتنا ٹکڑا ایک عام سپاہی کو کھودنے کے لئے دیا گیا تھا، اُتنا ہی ٹکڑا اس نے اپنے ذمے لیا تھا۔

ایثار کی تعلیم ہر معلم اخلاق نے دی ہے، لیکن عموماً یہ تعلیم معلم کے الفاظ اور فلسفے سے آگے نہیں بڑھتی، اس کے برخلاف انسانیت کے اس معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنی زبان سے ایثار کے الفاظ کم استعمال کئے اور عمل سے اس کی تعلیم زیادہ دی، حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی صاحبزادی ہیں، اور مرتبے کے لحاظ سے صرف عرب کی نہیں، دونوں جہاں کی قابل احترام شہزادی ہیں، لیکن چکی پیتے پیتے ان کی ہتھیلیاں گھس گئی ہیں، وہ آکر درخواست کرتی ہیں کہ مجھے کوئی خادمہ دلوادی جائے، لیکن مشفق باپ کی زبان سے یہ جواب یہ ملتا ہے کہ "فاطمہ ابھی صفہ کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا، اس لئے تمہاری خواہش پر عمل ممکن نہیں"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صبر وتحمل اور عفو ودرگزر کا درس دیا تو خود اس پر عمل پیرا ہو کر دکھلایا، ایک مرتبہ کسی شخص کا کچھ قرضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھا، اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرض کا مطالبہ کیا، اور اس غرض کے لئے کچھ گستاخانہ الفاظ استعمال کئے، ساری دنیا جانتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حقوق العباد کی ادائیگی کا کس قدر اہتمام تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے تقاضے کے بغیر ہی اس شخص کا قرض ضرور چکاتے، اس لئے اس شخص کے پاس اس تلخ کلامی کا کوئی جواز نہ تھا، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہؓ نے اس شخص کا یہ گستاخانہ انداز دیکھا تو اسے اس گستاخی کا مزہ چکھانا چاہا، لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تمام تر اشتعال انگیز اور تکلیف دہ رویے کو دیکھنے کے باوجود صحابہؓ سے فرماتے ہیں کہ :

دَعُوْهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا

"اسے رہنے دو، وہ صاحب حق ہے، اور صاحب حق کو بات کہنے کی گنجائش ہوتی ہے"

اور عفوو درگزر کا جو معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا، وہ تو ساری دنیا کو معلوم ہے کہ جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کے لئے ظلم وستم کا کوئی طریقہ نہیں چھوڑا تھا، انہی لوگوں پر فتح پانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمادیا کہ :

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ

"آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں، جاؤتم سب آزاد ہو"

خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تعلیم وتربیت جس نے دشمنوں کے دل جیتے، اور جس نے ایک وحشی قوم کو تہذیب وشائستگی کے بام عروج تک پہنچایا، اس کی سب سے بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ وہ تعلیم محض ایک فکر اور فلسفہ نہیں تھی، جسے خوبصورت الفاظ کے خول چڑھا کر آپ نے اپنے پیروؤں کے سامنے پیش کر دیا، بلکہ وہ ایک متواتر اور پیہم عمل سے عبارت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کی ہر ہر ادا مجسم تعلیم تھی، چنانچہ اگر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا استقراء کر کے دیکھا جائے تو اس میں قولی احادیث کی تعداد کم ہے، اور عملی احادیث کی تعداد زیادہ ہے، علامہ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "کنز العمال" اب تک احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے جامع ذخیرہ سمجھی جاتی ہے، اس کتاب میں علامہ موصوفؒ نے ہر عنوان کے تحت قولی احادیث اور فعلی احادیث کو الگ الگ

ذکر کیا ہے، اگر اس کتاب ہی کا جائزہ لے لیا جائے تو بیشتر عنوانات کے تحت قولی احادیث کا حصہ مختصر اور فعلی احادیث کا حصہ زیادہ طویل نظر آتا ہے، جس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے روئے زمین پر جو حسین ودلکش انقلاب برپا فرمایا، اس میں زبانی تعلیم کا حصہ کم اور عملی تعلیم کا حصہ زیادہ ہے۔

آج اگر ہم میں اساتذہ کی تعلیم، واعظوں کے وعظ اور خطیبوں کی تقریریں نتائج کے اعتبار سے بے جان اور اصلاح معاشرہ کے عظیم کام کے لئے بے اثر نظر آتی ہیں تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ آج ہمارے معلموں، واعظوں اور خطیبوں کے پاس صرف دلکش الفاظ اور خوشنما فلسفے تو ضرور ہیں، لیکن ہماری عملی زندگی ان دلکش الفاظ اور خوشنما فلسفوں سے یکسر متضاد ہے، اور ایسی تعلیم وتربیت نہ صرف یہ کہ کوئی مفید اثر نہیں چھوڑتی، بلکہ بسا اوقات اس کا الٹا اثر یہ ہوتا ہے کہ مخاطب ایک شدید ذہنی کشمکش اور فکری انتشار کا شکار ہوکر رہ جاتا ہے، استاذ کا بیان کیا ہوا زبانی فلسفہ اور مقرر کی شعلہ بیان تقریریں ایک محدود وقت کے لئے انسانوں کو اپنی طرف متوجہ ضرور کرلیتی ہیں، لیکن جب تک اس کے ساتھ عملی نمونہ ہو تو ان تقریروں سے صرف کان متاثر ہوتے ہیں، اور بہت زیادہ ہوا تو عقل ان کی صحت کو تسلیم کرلیتی ہے، لیکن دلوں کو متاثر کرنے اور زندگیوں کی کایا پلٹنے کا عظیم کام اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک معلم کی تعلیم اور واعظ کا وعظ خود اس کی اپنی زندگی میں عملی طور پر رچا بسا ہوا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے معلموں اور واعظوں کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اس راز کو سمجھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی صحیح معنی میں پیروی کرسکیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

(بشکریہ البلاغ ۱۴۲۴ھ)

دینی مدارس کیا ہیں؟

ان کی بات بھی ٹھنڈے دل سے سن لیجئے!

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مفتی محمد عبداللہ میمن
استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبرا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامعہ دارالعلوم کراچی۔
اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم الله الرحمن الرحیم

دینی مدارس کیا ہیں؟

ان کی بات بھی ٹھنڈے دل سے سُن لیجئے !

الحمد لله رب العلمین ، والعاقبة للمتقین، والصّلاة و السّلام علی خاتم النبیّین، وعلٰی آله واصحابه اجمعین، وعلی کل من تبعهم باحسان الی یوم الدّین . امّا بعد :

ملک کے دینی مدارس آج کل چاروں طرف سے نہ صرف تنقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، بلکہ ان کے خلاف یکطرفہ اعلانات اور کارروائیوں میں روز بروز شدت آرہی ہے، کسی بھی ادارے پر تنقید کوئی بری بات نہیں، اگر اس ادارے کو اچھی طرح دیکھ بھال کر اور اس کے نظام اور اغراض و مقاصد کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر اس پر تنقید کی جائے، تو ایسی تنقید خیر مقدم کی مستحق ہے، اور اس سے ادارے کو بہتر بنانے اور ترقی دینے میں مدد ملتی ہے، لیکن اگر کوئی تنقید دور دور سے محض بدگمانیوں کی بنیاد پر کی جائے تو نہ صرف یہ کہ اس سے اصلاح حال میں کوئی مدد نہیں ملتی، بلکہ وہ بسا اوقات محاذ آرائی کی شرانگیز فضا پیدا کر دیتی ہے، اور اگر یہ تنقید اُن سرکاری ذرائع کی طرف سے ہو جن کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ دوڑ ہے، اور وہ اسے عملی کارروائیوں کی بنیاد بنانے لگیں، تو ایسی تنقید ظلم و ستم میں تبدیل ہو

جاتی ہے۔ دینی مدارس کی مظلومیت یہ ہے کہ آج کل وہ اسی دوسری قسم کی تنقید کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، ان کے بارے میں جو ٹکسالی فقرے آج ہر نقاد کی زبان پر ہیں، اُن میں اکثر وہ ہیں جو ان مدارس کے مشاہدے اور معروضی تجزیہ پر نہیں، بلکہ ان مفروضوں پر مبنی ہے جو دور دور سے ذہن میں قائم کر لئے گئے ہیں، اور انہیں ایک مسلّم حقیقت سمجھ کر دن رات ان کی تشہیر کی جا رہی ہے، اس بات کی تصدیق بآسانی اس طرح کی جاسکتی ہے کہ جو حضرات دینی مدارس کے بارے میں یہ چلتے ہوئے فقرے تکیۂ کلام کی طرح بولتے رہتے ہیں کہ ''ان مدرسوں میں دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے، دینی مدرسوں میں عصری مضامین بھی پڑھانے چاہئیں، کیا وجہ ہے کہ ان مدرسوں سے سائنسدان پیدا نہیں ہوتے؟'' وغیرہ وغیرہ ان سے یہ پوچھ کر دیکھ لیجئے کہ ''کیا آپ نے کوئی مدرسہ خود جا کر دیکھا ہے؟ کیا آپ نے اُن کے نصاب اور نظام کا جائزہ لیا ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ کیا کیا مضامین کن کن مرحلوں میں پڑھاتے ہیں؟'' مجھے یقین ہے کہ ان میں سے اکثریت کا جواب نفی میں ہوگا۔ اس بات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ تنقید کتنی منصفانہ اور کتنی وزن دار ہے؟

پروپیگنڈے کے اس نقار خانے میں جہاں فضا ایسی بنادی گئی ہے کہ ان دینی مدارس کی حمایت میں کچھ بولنا اپنے سر پر دقیانوسیت، رجعت پسندی، بلکہ دہشت گردی تک کا الزام لینے کے مرادف بن گیا ہے، میں آپ کو انصاف کے نام پر دعوت دیتا ہوں کہ براہ کرام ایک مرتبہ خود ان دینی مدارس کے نمائندوں کی بات

ٹھنڈے دل ودماغ سے سن لیجئے، اور ان مدارس کی صحیح صورتحال ان کی زبانی معلوم کر کے اپنے ذاتی مشاہدے سے اس کی تصدیق کر لیجئے، اس کے بعد بیشک آپ جو تنقید کریں، یا جو اصلاحی تجاویز پیش کریں، وہ خیر مقدم کی مستحق ہوں گی۔

پہلے تو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ دینی مدارس کیا ہیں؟ ہمارے ملک میں بڑی بھاری تعداد ایسے حضرات کی ہے جو دینی مدارس سے واقف ہی نہیں ہیں، اور وہ ''دینی مدرسہ'' بس ان مکتبوں کو سمجھتے ہیں جو اکثر مسجدوں میں قرآن کریم ناظرہ یا حفظ پڑھانے کے لئے قائم ہیں۔ اگرچہ ہمارے ملک میں ان مکتبوں نے قرآن کریم کی تعلیم عام کرنے اور خواندگی کی شرح بڑھانے میں بڑی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے، اور یہ ''دینی مدارس'' کے نظام کا ایک حصہ بھی ہیں، لیکن ''دینی مدارس'' کے نام سے جو ادارے اس وقت موضوع بحث ہیں، وہ یہ مکتب نہیں، بلکہ وہ تعلیمی ادارے ہیں جو ''عالم دین'' کی ڈگری دینے کے لئے سولہ سالہ نصاب پڑھاتے ہیں۔ یہ دینی مدارس کسی نہ کسی ''وفاق'' یا ''تنظیم المدارس'' سے ملحق اور منسلک ہیں جو ان کے لئے نصاب متعین کرتا اور مختلف مرحلوں کا اجتماعی امتحان لے کر انہیں سند جاری کرتا ہے۔

''وفاق'' کی طرف سے ان مدارس کا جو نصاب مقرر ہے، اس کے تحت مکتب کی تعلیم (یعنی قرآن کریم ناظرہ یا حفظ اور معمولی نوشت وخواند) کے بعد تعلیم کا پہلا مرحلہ متوسطہ کہلاتا ہے، جو میٹرک کے مساوی ہے، اس مرحلے میں طلبہ کو وہ تمام مضامین پڑھائے جاتے ہیں جو سرکاری اسکولوں میں رائج ہیں، ان میں اردو،

انگریزی، حساب، جغرافیہ، تاریخ، مطالعۂ پاکستان اور سائنس ومعاشرتی علوم وغیرہ تمام مروجہ مضامین شامل ہیں، البتہ اس میں ان دینی معلومات کا اضافہ ہے جو ایک مسلمان کے لئے ضروری ہیں، عام سرکاری اسکولوں یا پرائیوٹ اداروں میں اسلامیات کا جو برائے نام حصہ ہوتا ہے، اس کے بجائے یہاں اچھے معیار کی دینی معلومات فراہم کی جاتی ہیں، نیز فارسی زبان سے بھی مناسبت پیدا کی جاتی ہے، تاکہ طالب علم فارسی کے علمی اور ادبی ذخیرہ سے استفادہ کی صلاحیت حاصل کر سکے، اسکے علاوہ بہت سے دینی مدارس اسی مرحلے میں کمپیوٹر کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔

اس طرح جب طالب علم مرحلہ متوسطہ سے فارغ ہوتا ہے، تو وہ میٹرک کی سطح تک کے تمام عصری مضامین پڑھ چکا ہوتا ہے، جو سیکولر تعلیمی اداروں میں میٹرک تک پڑھائے جاتے ہیں، بلکہ ان کے ساتھ وہ اسلامیات اور فارسی زبان کی اضافی تعلیم بھی حاصل کر چکا ہوتا ہے۔

اس مرحلہ متوسطہ کے بعد ثانویہ، عالیہ اور عالمیہ کے تین مراحل ہیں، جن کا بنیادی مقصد اسلامی علوم کی تعلیم ہے، ان میں عربی زبان، اس کے قواعد، عربی ادب، عربی بلاغت، ترجمہ وتفسیر قرآن، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، عقائد اور قدیم وجدید علم کلام کی مکمل تعلیم دی جاتی ہے، چونکہ خاص طور پر اصول فقہ اور کلام کے دقیق مسائل سمجھنے کے لئے منطق اور فلسفے کو بھی سمجھنے کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے منطق اور قدیم وجدید فلسفہ بھی نصاب کا حصہ ہے، نیز بعض مضامین جن سے ایک عالم کو بحیثیت عالم اپنے فرائض ادا کرنے کے لئے واقف ہونا

ضروری یا مفید ہے، ان کو بھی تعارفی حیثیت میں داخل نصاب کیا گیا ہے، ان میں جدید فلکیات (Astronomy) معیشت وتجارت اور تقابل ادیان کے مضامین شامل ہیں۔

یہ ہے مختصراً وہ نصاب جو عالیہ کے مرحلے تک تمام دینی مدارس میں پڑھایا جاتا ہے، اور جس کو سرکاری طور پر ایم اے عربی واسلامیات کے مساوی تسلیم کیا گیا ہے، اس کے بعد بڑے دینی مدارس نے مختلف مضامین میں تخصص (Specialization) کے درجات بھی قائم کئے ہوئے ہیں، بعض مدارس میں فقہ کا تخصص، بعض میں حدیث کا تخصص، بعض میں دعوت وارشاد کا تخصص کرایا جاتا ہے، جس کی مدتیں مختلف مدارس میں ایک سال سے تین سال تک ہوتی ہیں، اور بعض مدارس میں اس تخصص کے ساتھ مختلف غیر ملکی زبانیں مثلاً انگریزی، فرانسیسی، جرمنی وغیرہ بھی پڑھائی جاتی ہیں، تاکہ یہاں کے فارغ التحصیل دوسرے ملکوں میں خدمات انجام دے سکیں، لیکن تخصص کا یہ نظام ابھی وفاق کے تحت نہیں ہے، بلکہ ہر مدرسہ اپنے طور پر اس کا انتظام کرتا ہے، اس لئے یہ نظام ابھی معیار بندی (Standardization) کا محتاج ہے۔

وفاق کی طرف سے ایک مستقل نصاب کمیٹی مقرر ہے، جو وقتاً فوقتاً نصاب کا جائزہ لے کر اس میں ترمیم واضافہ کرتی رہتی ہے۔

تمام دینی مدارس میں نہ صرف تعلیم بالکل مفت ہے، بلکہ دوسرے شہروں کے طلبہ کے لئے رہائش بھی مفت ہے، اور مستحق طلباء سے خوراک کی بھی کوئی قیمت

نہیں لی جاتی۔ اور پڑھنے کے لئے کتابیں بھی بلا معاوضہ مستعار دی جاتی ہیں۔

یہ ہے دینی مدارس کا مختصر نظام، اس کو مدنظر رکھتے ہوئے ان اعتراضات اور تبصروں پر غور فرمایئے جو عام طور سے ان مدارس پر کئے جارہے ہیں۔

سب سے اہم تبصرہ جو دینی مدارس کے تقریباً تمام ناقدین کرتے ہیں یہ ہے کہ مدارس میں مروجہ عصری علوم پڑھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے، یہ صرف دینی تعلیم دیتے ہیں، اور طلبہ کو دنیوی علوم سے بالکل بے بہرہ رکھتے ہیں، بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان مدارس سے ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ کیوں پیدا نہیں ہوتے؟

اس تنقید پر غور کرتے ہوئے پہلے یہ اصولی بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس وقت دنیا میں بہت سے علوم پھیلے ہوئے ہیں، اور ایک شخص کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ بیک وقت ان تمام علوم کا ماہر ہو، یہ اختصاص (Specialization) کا دور ہے، اور بہت سے ادارے صرف کسی ایک علم میں مہارت پیدا کرنے کے لئے قائم ہوتے ہیں، ان پر یہ اعتراض درست نہیں ہے کہ وہ دوسرے علوم میں مہارت کیوں پیدا نہیں کرتے، ایک میڈیکل کالج طب کی خصوصی تعلیم دیتا ہے، تو اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ وہ انجینئرنگ کیوں نہیں سکھاتا؟ ایک لاء کالج میں اگر قانون کی خصوصی تعلیم ہوتی ہے تو اس پر کوئی بھی معقول شخص یہ اعتراض نہیں اٹھاتا کہ اس کالج سے ڈاکٹر کیوں پیدا نہیں ہورہے؟ اسی طرح اگر دینی مدارس صرف اسلامی علوم کی خصوصی تعلیم دیتے ہیں تو ان پر اس اعتراض میں کوئی معقولیت نہیں ہے کہ یہاں سے ڈاکٹر اور انجینئر کیوں پیدا نہیں ہوتے؟ صحیح بات یہ ہے کہ ایک حد تک تمام وہ

مضامین پڑھانے کے بعد جن کی ہر پڑھے لکھے آدمی کو ضرورت ہوتی ہے، اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ طالب علم اپنی ایک خصوصی لائن مقرر کر کے اس لائن میں مہارت پیدا کرے، دنیا بھر میں یہی ہو رہا ہے کہ میٹرک یا اولیول کی سطح تک ضروری مضامین سب مشترک طور پر پڑھتے ہیں، اس کے بعد آرٹس، سائنس، کامرس، میڈیکل یا انجینئرنگ وغیرہ میں سے کسی ایک کو اختیار کر کے اس کی خصوصی تعلیم حاصل کی جاتی ہے، لہٰذا اگر دینی مدارس میٹرک کی سطح کے بعد صرف اسلامی علوم کی خصوصی تعلیم دیتے ہیں، تو اس حد تک کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اگر معقولیت کے ساتھ کوئی اعتراض ہو سکتا تھا تو وہ یہ تھا کہ یہ مدارس میٹرک کی سطح تک بھی وہ ضروری مضامین نہیں پڑھاتے جو آج ہر پڑھے لکھے انسان کی ضرورت ہیں، تو یہ اعتراض بلاشبہ صحیح ہوتا، اگر ان دینی مدارس کو اس طرف توجہ نہ ہوتی۔ لیکن جب سے مدارس میں وفاقوں کا نظام جاری ہوا ہے، یہ صورت حال تبدیل ہو چکی ہے، اب وفاق نے تمام مدارس کے لئے جو نصاب اور نظام لازمی قرار دیا ہے، اس کی تفصیل میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ اس کی رُو سے اسلامی علوم کی خصوصی تعلیم شروع کرنے سے پہلے ہر مدرسہ پر لازم ہے کہ وہ میٹرک کی سطح تک تمام مروجہ مضامین پڑھائے، جن میں ریاضی، سائنس، جغرافیہ، تاریخ اور انگریزی زبان وغیرہ سب داخل ہیں۔ اور اب بیشتر مدارس میں یہ نظام سالہا سال سے جاری ہے، بلکہ ان مضامین میں بہت سے مدارس کا معیار تعلیم اگر مثالی نہیں تو عام سرکاری اسکولوں کے معیار سے یقیناً بدرجہا بہتر ہے، دینی مدارس کے اپنے اجتماعی

نظام کے ذریعہ جسے وفاق المدارس یا تنظیم المدارس کہا جاتا ہے، اس رُخ پر مسلسل پیش رفت ہو رہی ہے، اور اس نظام میں جو بھی کمزوریاں پائی جاتی ہیں انہیں دور کرنے پر مسلسل کام ہو رہا ہے۔

دوسرا بڑا اعتراض جسے مغربی پروپیگنڈے نے عالمگیر بنا دیا ہے، یہ کہا جاتا ہے کہ ان مدارس میں دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے، اور یہ دہشت گردوں کا مرکز بنے ہوئے ہیں، دینی مدارس کے ذمہ داروں کی طرف سے بار بار یہ پیشکش کی گئی ہے کہ جس کسی کو مدارس کے بارے میں اس قسم کا شبہ ہو، اُسے کھلی دعوت ہے وہ مدرسوں کو آ کر خود دیکھے، اور چاہے تو سراغ رسانی کے حساس ترین آلات استعمال کر کے پتہ لگائے کہ آیا کہیں ناجائز ہتھیاروں یا ان کی خفیہ تربیت کا کوئی نشان ملتا ہے؟ اگر کسی مدرسے کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہاں دہشت گردی کی تربیت دی جا رہی ہے، یا اس قسم کی کوئی کارروائی ہو رہی ہے تو اس کے خلاف مناسب کارروائی کا نہ صرف خیر مقدم کیا جائے گا، بلکہ وفاقوں کے ذمہ دار حضرات بار بار یہ اعلان کر چکے ہیں کہ ہم خود بھی اس کارروائی میں تعاون کریں گے، لیکن تین سال سے مدارس کے خلاف دہشت گردی کا پروپیگنڈا جاری ہے، اور سرکاری حلقوں سے بھی یہ مجمل بات کہی جاتی ہے کہ بعض مدرسوں میں دہشت گردی کی تربیت دی جا رہی ہے، سوال یہ کہ اگر کسی مدرسے کے خلاف یہ بات ثابت ہوئی ہے تو اس کا نام اور اس کی شناخت کیوں منظر عام پر نہیں لائی جاتی؟ اور ''بعض مدرسوں'' کا لفظ استعمال کر کے تمام دینی مدارس کو آخر کیوں مشکوک اور مطعون قرار دیا جا رہا ہے؟

صورت حال یہ ہے کہ اول تو اب تک کسی بھی دینی مدرسے کے خلاف اس قسم کا کوئی الزام میری معلومات کی حد تک ثابت نہیں ہو سکا۔ چودھری شجاعت حسین صاحب کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے کہ انہوں نے اپنی وزارت عظمیٰ کے دوران مدرسوں میں دہشت گردی کے الزام کی مکمل تحقیق کی، اور انہیں کسی مدرسے میں دہشت گردی کی تربیت کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ لیکن اگر فرض کریں کہ ہزار ہا دینی مدارس میں سے ایک دو مدرسوں کے بارے میں یہ الزام ثابت بھی ہو جاتا ہے تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اس کی بنیاد پر تمام دینی مدارس کو دہشت گرد قرار دیدیا جائے؟ کیا دنیا بھر کے تعلیمی اداروں میں بعض اوقات کچھ جرائم پیشہ افراد داخل نہیں ہو جاتے؟ کیا اس کی بنیاد پر تمام تعلیمی اداروں کو جرائم پیشہ قرار دیدینا عقل وانصاف کے کسی خانے میں فٹ ہوسکتا ہے؟

دینی مدارس کو دہشت گردی کی وارداتوں سے ہر قیمت پر منسلک کرنے کی تازہ ترین مثال لندن کے دھماکے ہیں، جن لوگوں کو اس دھماکے کا ذمہ دار قرار دیا جارہا ہے، انہوں نے کسی دینی مدرسے میں تعلیم نہیں پائی تھی، وہ برطانیہ ہی میں پلے بڑھے، اور وہیں کے ماڈرن اداروں میں تعلیم پائی، ان میں سے صرف ایک کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کسی وقت مختصر عرصے کے لئے لاہور آیا تھا، اگر یہ بات درست ہو، تب بھی یہ عجیب معاملہ ہے کہ جہاں اس نے پوری زندگی گزاری، اسے چھوڑ کر پاکستان کے دینی مدارس کو اس لئے مطعون کیا جائے کہ وہ ایک مختصر وقت کے لئے یہاں آیا تھا، اسی واقعہ کے پس منظر میں ہماری حکومت نے دینی مدارس میں باقاعدہ ویزے پر آئے ہوئے تمام غیر ملکی طلبہ کے لئے یہ اعلان کر دیا

ہے کہ انہیں فوراً ملک چھوڑنا ہوگا۔ ان میں سے بہت سے طلبہ وہ ہیں جو سالہا سال یہاں کے مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آئندہ مہینے اپنا آخری سال مکمل کر کے امتحان دینے والے ہیں، جس پر انہیں ڈگری ملنی ہے۔ لیکن فی الحال احکام یہ ہیں کہ انہیں اتنی بھی مہلت نہیں دی جائے گی کہ وہ اپنا امتحان دے سکیں، اور اس طرح ان کے سالہا سال کی محنت اکارت کی جارہی ہے۔ یہ سراسر ظلم نہیں ہے تو کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان غیر ملکی طلبہ کا تعلیم کے لئے پاکستان آنا ملک کے لئے ایک اعزاز ہے، اور یہ اپنے اپنے ملکوں میں واپس جا کر قومی مسائل میں ہمارے ملک کے لئے غمخواری میں کسر نہیں چھوڑتے، ان کے لئے پاکستان کے دروازے بند کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اب پاکستان کے بجائے ہندوستان کا رُخ کریں گے، اور ایسی اطلاعات مل رہی ہیں کہ جو والدین اپنی اولاد کو دینی تعلیم و تربیت دلانا چاہتے ہیں، وہ اب انہیں بھارت بھیجنے کے انتظامات سوچ رہے ہیں، ان حالات میں سوال یہ ہے کہ کیا یہ ناگہانی فیصلہ ملک کے مفاد میں ہے؟ اگر کسی خاص شخص کے بارے میں کوئی الزام ہے تو اس کے خلاف قانونی کارروائی کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا، وہ کارروائی ضرور کیجئے، اور مدارس پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ وہ اس معاملے میں حکومت کے ساتھ پورا تعاون کریں گے، لیکن سارے مدارس کے تمام غیر ملکی طلبہ کو ایک سانس میں واپس نکالا دینا معقولیت اور انصاف کے کسی معیار پر پورا نہیں اترتا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

(بشکریہ البلاغ، شعبان ۱۴۲۶ھ)

مسلمانان عالم

کی پستی کے دو سبب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مولوی عبد التواب طالقانی

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب	:	جدید جامع مسجد، جامعہ دار العلوم کراچی
تاریخ خطاب	:	۱۴/اگست ۲۰۰۸
وقت خطاب	:	گیارہ بجے دن
اصلاحی خطبات	:	جلد نمبر 19

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمانانِ عالم کی پستی کے دو سبب

۱۱ر شعبان ۱۴۲۹ھ (۱۴ر اگست ۲۰۰۸ء) کو جامعہ دارالعلوم کی جدید جامع مسجد کے مرکزی ہال میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے مخیّرین حضرات کے سامنے اپنے خطاب میں عالم اسلام کی موجودہ حالت زار کے حقیقی اسباب پر روشنی ڈالی کہ دراصل ہمیں اپنی اصلاح کی فکر نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا خیال نہیں، یہ بصیرت افروز خطاب مولوی عبدالتواب طالقانی نے قلم بند کیا۔ جو ہدیۂ قارئین ہے .... (میمن)

. نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم . اَمَّا بَعْد!

میرے محترم ساتھیو اور علماء کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اس موقع پر میں دارالعلوم کراچی کی طرف سے اور دارالعلوم کی انتظامیہ کی طرف سے آپ حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ حضرات یہاں تشریف لائے، یہ دارالعلوم کی انتظامیہ کے لئے پہلا موقع اور تجربہ ہے کہ یہ عظیم اجتماع دارالعلوم میں منعقد ہو رہا ہے، لہٰذا اس میں بہت سی کوتاہیاں بھی ہو سکتی ہیں، اور غلطیاں بھی، آپ حضرات کی جس طرح خاطر داری ہونی چاہیے تھی، اور جس انداز سے آپ

حضرات کے لئے سہولیات کا پورا انتظام ہونا چاہیے تھا، اس میں یقیناً کوتاہیاں بھی ہوسکتی ہیں، اور غلطیاں بھی، لیکن اگر کوئی کوتاہی ہوئی بھی ہے تو وہ غیر شعوری طور پر اور کوشش کے باوجود کسی مجبوری کے تحت ہوئی ہوگی، میں آپ حضرات سے اور آپ کے اخلاق کریمانہ سے استدعا کرتا ہوں کہ اگر کسی قسم کی کوئی شکایت پیش آجائے تو اس کو للہ فی اللہ معاف فرمادیں، کیونکہ یہ ہمارے لئے پہلا تجربہ ہے، اور اگر کسی قسم کی کوئی تجویز ذہن میں ہوتو بلا تکلف بیان فرمادیں۔

اللہ تعالیٰ آپ حضرات کے اس قیام کو مبارک فرمائے، اور جس مقصد کے لئے آپ یہاں جمع ہوئے ہیں، اس مقصد میں مکمل کامیابی عطا فرمائے، اور آپ حضرات کو اپنی ذمہ داری سے امانت و دیانت کے ساتھ عہدہ برا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ اصل تو مجھے اس موقع پر آپ حضرات سے یہی خیر مقدی کلمات عرض کرنے تھے۔

لیکن مولانا کفایت اللہ صاحب نے فرمایا کہ جب علماء کرام کا اتنا بڑا اجتماع ہے، جس میں پورے ملک کے مختلف حصوں کے علماء شامل ہیں، تو اس سے کچھ اور فائدے بھی اُٹھانے چاہئیں، تو اس نقطہ نظر سے ایک بات ذہن میں آئی جو اس وقت آپ حضرات کی خدمت میں بطور مذاکرہ عرض کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ آپ تمام حضرات کو اس کا مکمل

احساس و ادراک ہے کہ اس وقت پورا عالم اسلام عموماً اور ہمارا ملک خاص طور پر دشمنوں کا بہت بڑا نشانہ بنا ہوا ہے، اس وقت ساری اسلام دشمن طاقتیں متحد ہیں، اور اس فکر میں ہیں کہ عالم اسلام کی قوت کو کس طرح پارہ پارہ کیا جائے، اور جہاں کہیں اسلام و دین کی آواز بلند ہو، اس کو خاموش کیا جائے، پورے عالم اسلام میں یہی عجیب وغریب صورتحال ہے، اور یہی بات یہ ہے کہ اگر تاریخ اسلام پر نظر ڈالی جائے تو اتنی بڑی تعداد مسلمان کی ساری تاریخ میں کبھی نہیں تھی، جتنی آج ہے، اور مسلمان کو اتنے وسائل کبھی میسر نہیں تھے، جتنے آج میسر ہیں۔

دنیا کو جغرافیائی نظر سے دیکھا جائے تو انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک ایک زنجیر ہے، جو مسلمان ممالک سے پروئی ہوئی ہے، بیچ میں صرف دو غیر مسلم اور دشمن طاقتیں ہیں، اگر ان کو نکال دیا جائے تو پورا عالم اسلام ایک زنجیر میں جڑا ہوا ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کا وہ خطہ مسلمانوں کو عطا فرمایا ہے جو مختلف النوع وسائل سے مالا مال ہے، یہ وہ خطہ ہے جس کے ذریعہ جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے پوری دنیا کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے، نہر سوئز مسلمانوں کے قبضے میں ہے، جو بحر اسود کو بحر احمر سے ملاتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یورپ سے ایشیا آنے کا واحد راستہ نہر سوئز ہے، ابنائے فاسفورس بحر اسود کو بحر متوسط سے ملاتی ہے، جس کے ذریعہ روس ایشیا اور یورپ جاسکتے ہیں، مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، خلیج عدن جو درحقیقت پورے عرب ممالک کا دروازہ سمجھا جاتا ہے، وہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، غرض دنیا کے اہم ترین خطے جو جنگی حکمت عملی کے لحاظ سے اہم ہیں، وہ مسلمانوں کے قبضے

میں ہیں، آج کل دنیا میں سب سے بڑی دولت پیٹرول جو زر سیال ''بہتا ہوا سونا'' کہلاتا ہے، وہ مسلمانوں کے قبضے میں ہے، یہاں تک کہ دنیا میں یہ جملہ ضرب المثل بن گیا ہے کہ ''جہاں مسلمان ہیں، وہاں تیل ہے'' تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ وسائل مسلمانوں کو عطا فرمائے ہیں، انسانی وسائل کے اعتبار سے کرۂ زمین کا جائزہ لیں تو یہ خطہ جو مسلمانوں کے پاس ہے، موسم کے اعتبار سے، آب وہوا کے اعتبار سے، گردش لیل ونہار کے اعتبار سے معتدل ترین حصہ ہے، جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمایا ہے، کتنے علاقے یورپ میں ایسے ہیں جنہیں موسم کے غیر معتدل ہونے کا شکوہ رہتا ہے، بہت سے علاقوں میں گرمی ہے تو مسلسل گرمی ہے اگر سردی ہے تو مسلسل سردی ہے، بہت سے لوگ گرمی سے ناآشنا ہیں تو بہت سے لوگ، سردی سے ناآشنا ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانون کو ہر طرح کی زرعی پیداوار عطا فرمائی ہے، اس لئے یہ کہنا کوئی غلط نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے وسائل آج عالم اسلام کو عطا فرمائے ہیں، تاریخ میں اتنے کبھی نہیں تھے، لیکن حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کی حیثیت دوسری اقوام کے مقابلے میں اتنی کمزور ہے کہ دنیا کی دوسری اقوام مسلمانوں کو نوالہ تر بنانے کی فکر میں ہیں، بلکہ بڑی حد تک بنا چکی ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ''ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے، جس میں تمہاری تعداد تو زیادہ ہوگی لیکن ''غثاء کغثاء السیل ''یعنی سیلاب میں بہتے ہوئے خس وخاشاک کی مانند ہوں گے'' آج وہ کیفیت ہمارے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کسی ظلم

کی رواداری نہیں ہوتی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمادیا ہے کہ ''وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ (الشوریٰ: ۳۰) ''پس اس میں تو کسی مؤمن کو شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہ تمام مصائب ہماری بداعمالی کی بدولت ہیں، جس کا ہمیں شکوہ بھی ہے کہ مسلمان ممالک کا حکمران طبقہ مغربیت سے مرعوب ہے، حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ طبقہ اسلام دشمن عناصر کا کارندہ ہے، الا ماشاء اللہ...... لیکن عام طور سے صورتحال یہ ہے کہ اگر مغربی طاقتوں کی طرف سے کوئی قانون آتا ہے، مغربی طاقتیں تو بعد میں اقدام کرتی ہیں مسلمان ملکوں کی طرف سے پہلے اقدام ہوجاتا ہے، کتنے لوگ ایسے ہیں جو مغرب کا مقابلہ کرنے کے لئے معروف ہیں، ان کے خلاف کارروائی غیر مسلم ملکوں میں بعد میں ہوئی، مسلمان ملکوں میں پہلے ہوئی، آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ برطانیہ اور امریکہ میں ابھی تک دینی مدارس موجود ہیں، اور ان کو کسی نہ کسی حد تک قائم کرنے کی اجازت بھی ہے، اگر کوئی قائم کرنا چاہے تو اصول و شرائط کے مطابق قائم کرسکتا ہے، اور الحمد للہ کر بھی رہے ہیں، لیکن آپ متحدہ عرب امارات مین قائم کرنا چاہیں، خلیج کے کسی ملک میں قائم کرنا چاہیں تو اجازت نہیں ملے گی، کیوں؟ اس لئے کہ حکمران ''شاہ'' سے بھی بڑھ کر ''شاہ'' کے وفادار ہیں، وہ چونکہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے تیور مدارس دینیہ کے بارے میں بدلتے رہتے ہیں، اس لئے مدارس کے قیام کی اجازت نہیں دیتے، چند گنے چنے ملک ہیں جہاں اس طرح دینی مدارس قائم کرنے کی اجازت ہے، جیسے پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ...... اب مزید ایک دو ملکوں میں الحمد للہ اجازت مل گئی ہے، لیکن ایسا

مدرسہ بحرین، دبئی یہاں تک کہ سعودی عرب میں قائم کرنا چاہیں تو اجازت نہیں ملے گی۔

اصل صورتحال یہ ہے کہ حکمران طبقہ کی اکثریت مغربی طاقتوں کی آلہ کار بنی ہوئی ہے، الا ماشاء اللہ...... یہ حکمران کیوں ہمارے اوپر مسلط ہیں؟ اس کی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی کہ "اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ" اس لئے اس وقت پوری امت مسلمہ کو جو مسائل درپیش ہیں، ان کا سبب ہمارے اعمال ہیں۔

اس لئے علماء کرام کا فریضہ ہے کہ اس صورتحال میں امت کو دو کاموں کی طرف متوجہ کریں، علماء کرام بجائے اس کے کہ تبصرے کرتے پھریں، اس کے علاج کی طرف متوجہ ہوں، میرے نزدیک ہماری کامیابی دو چیزوں میں منحصر ہے، اس پر ہم بھی عمل کریں، اور دوسروں کو بھی پیغام پہنچائیں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے حالات بدل دے، ایک اپنی اصلاح کی فکر کریں، اور دوسرے رجوع الی اللہ کا اہتمام کریں، یہ دو چیزیں پیدا ہوجائیں تو مجھے پوری طرح یقین ہے کہ صورتحال بدل سکتی ہے، اپنی اصلاح کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا (المائدۃ: ۱۰۵)

ایک تفسیر اس کی یہ بھی ہے کہ قرب قیامت میں اس پر عمل کرنے کی تاکید خود

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، ایک حدیث میں آپ نے فرمایا:

اِذَا رَاَیْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَھَوًا مُتَّبَعًا وَ دُنْیَا مُؤْثَرَۃً وَّاِعْجَابَ کُلِّ ذِیْ رَأیٍ بِرَأیِہٖ فَعَلَیْکَ بِخَاصَّۃِ نَفْسِکَ (سنن الترمذی)

جب قیامت کے قریب حالات خراب ہوجائیں، معاشرہ بگڑ جائے، بے دینی پھیل جائے، کفرامڈنے لگے، دشمنوں کی طاقتیں ہمارے خلاف استعمال ہونے لگیں تو اپنی فکر کرو، ذاتی اصلاح کی طرف متوجہ ہوجاؤ، آج صورت حال یہ ہے کہ جس مجلس میں بیٹھ جاؤ، جہاں چار آدمی جمع ہوجائیں، حالات کی خرابی کا شکوہ زبان پر ہوگا، تذکرہ کررہے ہوں گے فلاں نے یہ کردیا، فلاں نے یہ کردیا...... لیکن کیا جب ہم یہ تذکرہ کرتے ہیں تو خود بھی کبھی یہ سوچا کہ ہمارے اندر کیا خرابی ہے، ہمارے اندر کون سی کمی ہے، جس کو دور کرنا چاہیے۔ اپنی اصلاح کی فکر ختم ہورہی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر آدمی دوسروں کے عیب ڈھونڈتا ہے، دوسروں کی فکر کرتا ہے، لیکن اپنی اصلاح کی فکر سے غافل ہے، اس لئے یہ پیغام ہر طرف پہنچانے کی ضرورت ہے کہ اپنی اصلاح کی فکر پہلے کریں، آپ حضرات بہتر جانتے ہیں کہ اصلاح میں تمام شعبے داخل ہیں، اس میں عبادات بھی داخل ہیں، معاملات بھی، اخلاقیات بھی داخل ہیں اور معاشرت بھی، لیکن کون ہے جو ان چار شعبوں میں اصلاح کی فکر کررہا ہو؟ کوئی عبادت کو دین سمجھ بیٹھا ہے، کوئی معاملات سے غافل ہے، آپ باہر جاکر دیکھیں تو رشوت خوری کا بازار گرم ہے، حلال وحرام کی فکر مٹ گئی ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد پامال ہورہے ہیں، اس کی فکر عوام میں زندہ کرنے کی

ضرورت ہے۔

دوسری چیز ہے رجوع الی اللہ، یہ شکوے تو ہر ایک کرتا ہے کہ بڑے بُرے حالات آ گئے ہیں، لیکن اس شکوہ کے ساتھ کبھی اس طرح دعا کی جیسے مصیبت میں گرفتار ہونے والا کرتا ہے، ابھی جو مولانا صاحب آیت تلاوت فرما رہے تھے :

هُوَ الَّذِىْ يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ حَتّٰى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (یونس: ٢٢)

اس آیت میں مشرکین کا ذکر ہے کہ جب وہ کشتی پر سوار ہوتے ہیں، اور موجوں سے واسطہ پڑتا ہے تو اللہ ہی کو خالص کر کے پکارتے ہیں۔ اس وقت ہماری کیفیت بحیثیت مجموعی یہ ہے کہ ہم ایک کشتی کے سوار ہیں، اور وہ کشتی طغیانیوں میں گھری ہوئی ہے، چاروں سے طرف سے پہاڑوں کی طرح موجیں آ رہی ہیں، تو ایسی حالت میں اگر ہمیں اندیشہ ہو کہ کشتی ڈوب جائے گی، اس وقت کس اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ ہم اللہ کو پکاریں گے، ہر انسان جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو، وہ اللہ ہی کو اخلاص و تضرع کے ساتھ پکارے گا تو کیا اتنی ہی بے چینی کے ساتھ کبھی ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے، اور ایسی کیفیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، تو اکثریت کا جواب نفی میں ہوگا، اگر ہم اپنے گریبان میں

منہ ڈال کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں، بس یہ پیغام بھی پھیلانے اور پہنچانے کی ضرورت ہے کہ رجوع الی اللہ کا اہتمام کیا جائے۔

ایک وقت وہ تھا کہ جب مسلمانوں پر اجتماعی آفت آتی تھی، تو گھر گھر آیت کریمہ کا ختم ہوتا تھا، دعائیں مانگی جاتی تھیں، آج کے حالات میں بھی ہمیں یہ کرنا چاہیے، اور الحمد للہ، بعض علاقوں میں اس کا اہتمام ہوتا ہے، آپ یہ پیغام دوسروں کو پہنچائیں اور رجوع الی اللہ کر کے اس طرح دعائیں مانگیں، جس طرح کسی کا اپنا بچہ بیماری میں تڑپ رہا ہو تو اس وقت وہ کس اخلاص وزاری کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت مسلمان دشمن طاقتیں جہاں مسلمانوں کے پیچھے لگی ہوئی ہیں، وہاں ان کا سب سے بڑا نشانہ آپ لوگ یعنی دینی مدارس کے اہل علم ہیں، سب سے بڑا ہدف دینی مدارس ہیں، جن کے بارے میں یہ لوگ یہ راز پا چکے ہیں کہ اگر اسلام کا بیج مسلمانوں کے دلوں سے نکالنا ہے تو ان "ملاؤں" کو ختم کرو، یہ "مُلّا" ہی ہیں جو پیٹ پر پتھر باندھ کر، راتوں کو جاگ کر اللہ کا کلمہ مسلمانوں تک پہنچاتے ہیں۔ اقبال نے کہا تھا:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
"مُلّا" کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

یہ حقیقت اس نے اچھی طرح سمجھ لی ہے، اور صحیح سمجھی ہے، غلط نہیں سمجھی کہ مدارس کے یہ بوریہ نشین "مُلّا" ہی ہیں جو دنیا کی زیب وزینت اور آرائش ونمائش سے مستغنی ہوکر اپنے دین کی آبیاری کررہے ہیں، یہ حقیقت ہمارے دشمنوں نے پہچان لی ہے، اس لئے وہ مدارس اور اہل علم کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، لیکن مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ انشاء اللہ یہ سازش کامیاب نہیں ہوسکتی اور نہ ہوگی "وَ يَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ" لیکن ایک خطرہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر ہمارے اندر خرابی پیدا ہوگئی اور ہم نے اپنے آپ کو خراب کرلیا، ہم نے حامل دین ہونے کے باوجود دین کے بنیادی احکام کو فراموش کردیا، اور ہم حب جاہ وحب مال کے جال میں پھنس کر اپنے اصل مقاصد سے ہاتھ دھو بیٹھے، تو پھر دشمن کو کھلا میدان مل جائے گا، اور اللہ کی نصرت ہم سے ہٹ جائے گی۔

لہٰذا خطرہ دشمن سے نہیں، خطرہ ہمیں اپنے آپ سے ہے، اللہ ہمیں صراط مستقیم پر رکھے، اور ہمارے اندر اخلاص پیدا فرمائے، آمین۔ ہم جن علماء دیوبند کے نام لیوا ہیں، جس طرح انہوں نے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ دین کی خدمت انجام دی تھی، جب تک ہم بھی اسی طرح عمل کریں گے تو کوئی ہمارا بال بیکا نہیں کرسکتا، لیکن اللہ نہ کرے کہ جس اخلاص سے انہوں نے کام کیا اگر ہم اس راستے سے ہٹ گئے تو اللہ کی مدد سے محروم ہوجائیں گے، ہمارے بزرگوں کا طریقہ رہا ہے تقویٰ کا، للّٰہیت کا اور مدرسے کی ایک ایک پائی کا کہ مدرسہ کا مال ہمارے ذاتی استعمال میں نہ آئے، اور وہ اس سے پوری طرح پرہیز فرماتے تھے۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ایک واقعہ بیان کرتے تھے کہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، انہوں نے گائے پالی ہوئی تھی، ایک دن گائے چراتے ہوئے دارالعلوم کے پاس سے گزرے تو گائے مدرسے کے صحن میں کھڑی کردی، اور خود کسی کام میں مصروف ہوگئے، ایک شہزادے کا گزر ہوا، دیکھا تو شور مچادیا کہ اچھا! اب دارالعلوم مہتمم صاحب کی گائے کا اصطبل بنے گا، کیا حق ہے مہتمم کا؟ یہ تو دارالعلوم کا حق ہے، مولانا نے شور سنا تو تشریف لائے، پوچھا کہ کیا قصہ ہے، سارا ماجرا سنایا گیا، اس پر مولانا نے فرمایا کہ بھئی بات تو ٹھیک کہہ رہے ہیں، غلطی ہم سے ہوئی، ہمیں یہاں نہیں کھڑی کرنی چاہیے تھی، یہ دارالعلوم کا صحن ہے، اپنی غلطی کا اعتراف کیا کہ ہاں بھئی، ہم سے غلطی ہوئی، اور اس کی تلافی یہ ہے کہ یہ گائے تم لے جاؤ، وہ بھی اللہ کا بندہ ایسا بے نیاز تھا کہ وہ لے کر چلتا بنا۔ تو اس احتیاط کے ساتھ ہمارے اکابر نے مدرسوں کو چلایا ہے۔

حافظ عبداللطیف صاحب کا قصہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے کہ دارالعلوم کا سالانہ جلسہ ہوتا تو سینکڑوں مہمانوں کو کھانا کھلانے کے بعد خود ایک کونے میں بیٹھ کر اپنے گھر سے آیا ہوا، ٹھنڈا، جما ہوا کھانا، توڑ توڑ کر کھایا کرتے تھے، یہ اخلاص وللّٰہیت اور یہ جذبہ جب تک باقی رہے گا، دشمن ہمارا بال بیکا نہیں کرسکتا، لیکن جب بھی زوال آئے گا تو وہ یقیناً ہماری بداعمالی کی بدولت ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ دعا ہم سب کو کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان بزرگوں کا راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے،

اور ان کا دامن تھامنے کی توفیق عطا فرمائے، جنہوں نے ہمارے لئے روشن مثالیں اور نمونے چھوڑے ہیں، اللہ ہمیں ان کا صحیح نام لیوا بننے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العلمین

طلباء دورۂ حدیث سے

الوداعی نصیحتیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مولوی منیر احمد

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : درسگاہ دورۂ حدیث، جامعہ دارالعلوم کراچی

تاریخ خطاب : ۲۱ / جون ۲۰۱۱

وقت خطاب : بروز منگل، بعد از نماز عشاء

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم الله الرحمن الرحیم

طلباءدورۂ حدیث سے الوداعی نصیحتیں

۱۸؍رجب ۱۴۳۲ھ (۲۱؍جون ۲۰۱۱ء) منگل کے روز عشاء کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے طلبۂ دورۂ حدیث کے سامنے اپنے الوداعی خطاب میں قابل قدر نصیحتیں ارشاد فرمائیں تھیں، جس کو مولوی منیر احمد نے قلم بند فرمایا، افادۂ عام کے لئے وہ نصائح ہدیۂ قارئین ہیں۔ بشکریہ البلاغ، ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ.......................(میمن)

میرے عزیز طلبہ!

الحمد للہ، آج ہمارے دورۂ حدیث کے سال کی تکمیل ہو رہی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر بڑا فضل و کرم ہے کہ ہمیں احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے پڑھنے پڑھانے کی توفیق بخشی، ورنہ ہماری ناپاک زبانیں اس قابل نہیں تھیں کہ ہم احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پڑھیں اور پڑھائیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم سے ان احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے پڑھنے پڑھانے میں جو تقصیرات ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے، آمین۔

عبادت کی تکمیل پر دو کلمے

ہمارے شیخ حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی بھی عبادت کی تکمیل پر

دو کلمے کہنے چاہئیں، ایک (۱) الحمدللہ دوسرا (۲) استغفر اللہ، الحمدللہ تو اس لئے کہنا چاہئے کہ انسان عبادت کرنے کے بعد عجب میں مبتلا نہ ہو جائے کہ میں نے یہ عبادت کی ہے، بلکہ الحمدللہ کہنا چاہئے کہ میں نے عبادت اللہ کی توفیق سے کی ہے، اس لئے میں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں، اور استغفر اللہ اس لئے کہنا چاہئے کہ آدمی یہ خیال نہ کرے کہ میری تقصیرات کی وجہ سے میری عبادت ضائع ہوگئی۔

ابھی ابتداء ہوئی ہے

میرے عزیزو! میں اکثر یہ جملہ سنتا رہتا ہوں کہ فلاں فارغ التحصیل ہے، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نصاب تعلیم کی تکمیل ہوئی ہے نہ کہ علم کی تکمیل ہوئی ہے، بلکہ طلب علم کی ابھی ابتداء ہوئی ہے، اور طلب علم کی کوئی انتہا نہیں ہے، اطلبو العلم من المهد الى اللحد

امام ابو یوسف کا واقعہ

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جب مرض وفات میں بستر پر تھے تو ان کا ایک شاگرد ان کی عیادت کے لئے آیا، اور حضرت سے حال پوچھا، حضرت نے حال بتایا، اس کے بعد حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بستر پر ہوتے ہوئے اپنے شاگرد سے سوال کیا کہ ''رمی جمار'' سوار ہو کر افضل ہے یا پیدل افضل ہے؟ ان کے شاگرد جواب صحیح نہ دے سکے تو حضرت نے جواب میں فرمایا کہ جن جمرات کے بعد وقوف نہیں ہے وہاں سوار ہو کر افضل ہے، اور جہاں وقوف ہے وہاں پیدل افضل ہے، اس کے بعد ان کا شاگرد واپس ہونے لگا تو گھر سے رونے کی آوازیں

آنے لگیں، اور حضرت وفات پا گئے، اس کو کہتے ہیں طلب علم کا جذبہ، علم کی کسی بھی حد پر قناعت نہیں ہونی چاہئے۔

علم وہ ہے جس سے عمل کی توفیق ہو

صرف علم بمعنی ''دانستن'' علم نہیں کہلاتا، بلکہ علم وہ ہے جس کے ذریعے سے عمل کی توفیق پیدا ہو، اور صرف نقوش پڑھنا کافی نہیں ہے۔ آپ حضرات اب باہر نکلیں گے تو طرح طرح کے فتنے آپ کے سامنے آئیں گے، آپ حضرات سے کوئی یہ سوال نہیں کرے گا کہ قرآن مخلوق ہے یا نہیں؟ بلکہ لوگ دیکھیں گے کہ یہ پڑھ کر آیا ہے تو اس میں کیا تبدیلی واقع ہوئی ہے، کیا اس کے اندر اچھے اخلاق ہیں یا نہیں؟ کیا یہ غصہ کو قابو کرتا ہے یا نہیں؟ والدین، بہن بھائی اور پڑوسیوں کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے؟ تو میرے بھائیو! اصل چیز عمل کرنا ہے، اگر احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پڑھنے کے بعد آپ کے اندر تبدیلی نہیں آئی تو آپ کو علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔

مال کی محبت سے بچنا

احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک پہلو تو وہ ہے جو ظاہر کے متعلق ہے، جیسا کہ حلیہ، لباس وغیرہ، الحمد للہ اس میں ہمارے طلباء کافی حد تک اہتمام کرتے ہیں۔

دوسرا پہلو ہے معاملات کا، اس کے اندر کوتاہی کی جاتی ہے، اگر عالم بن گیا اور مال کی ہوس نہ گئی تو کیا عالم بنا؟ اگر عالم بھی بھی روپے، پیسے کی خاطر اپنے دین

کو خراب کرے تو وہ عالم اور طالب علم کہلانے کا مستحق نہیں ہے، حُب مال اور حُب جاہ دو بھیڑیئے ہیں، یہ انسان کے دین میں فساد پھیلاتے ہیں، اور یہ سب سے بڑا فتنہ ہے، اس فتنہ میں شیطان ہمیں بہکاتا ہے۔

میرے بھائیو! فاقہ کرلینا، افلاس کو برداشت کرلینا، یہ ہزار درجہ بہتر ہے اس سے کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں، آزمائش کے وقت حُب مال اور حُب جاہ سے بچنا چاہیے، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو معیشت کی خوشحالی عطا فرمائیں، آمین۔

علماء کی بدنامی کا سبب مت بنا

میرے بھائیو! اب تک جو ہوا سو ہوا، لیکن اب آپ علم کے نمائندے بن کر جارہے ہیں، اور لوگ آپ کو خوردبین لگا لگا کر دیکھیں گے، اگر آپ کا کردار و اخلاق درست نہیں ہوگا، تو آپ کے ذریعہ سے علماء کی اور دینی مدارس کی بدنامی ہوگی، اس لئے اپنے آپ کو درست کرلو۔

میں جب شروع میں دارالاقامہ کا چکر لگاتا تھا تو طلبہ سے یہ پوچھتا تھا کہ تم کس لئے پڑھ رہے ہو، تو اکثر کا جواب یہ ہوتا تھا کہ دین کی تبلیغ کے لئے، یہ جواب تو صحیح ہے، لیکن یہ دوسری سیڑھی ہے، پہلی سیڑھی ہے عمل کی، کہ آدمی نے جو علم حاصل کیا ہے اس پر پہلے خود عمل کرے، پھر دوسروں کو تبلیغ کرے، لیکن ہم پہلی سیڑھی کو بھول جاتے ہیں، ہمیں دوسروں کی اصلاح کی فکر ہوتی ہے، اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہوتی، اور یہ سب سے بڑی بیماری ہے، ہمارے علماء دیوبند سب سے پہلے اپنی اصلاح کرتے تھے، اور اس کے لئے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ

علیہ کے پاس جاتے تھے، حالانکہ انہوں نے صرف کافیہ تک پڑھا تھا، لیکن ان کو علم کی روح حاصل ہو چکی تھی۔

کبھی اپنے آپ کو ''عالم'' مت کہنا

میری آپ حضرات کو یہ نصیحت ہے کہ اپنے آپ کو کبھی عالم نہ کہنا، بلکہ طالب علم ہی کہنا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر ساری دنیا کے عقلاء میرے پاس اسلام کی حدود کے خلاف کوئی اعتراض لے کر آئیں تو یہ ناکارہ ان کو دومنٹ میں لاجواب کر سکتا ہے، اور میں تو ادنیٰ طالب علم ہوں، علماء کی تو بڑی شان ہوتی ہے، تو پہلی نصیحت آپ حضرات کو یہی ہے کہ ہمیشہ اپنے آپ کو طالب علم ہی سمجھنا۔

کسی سے اصلاحی تعلق قائم کرلیں

دوسری نصیحت میری آپ حضرات سے یہ ہے کہ اپنی اصلاح کے لئے کسی اللہ والے سے بیعت کرلیں، اس لئے کہ یہ فتنہ کا زمانہ ہے، اور فتنہ اس کو کہتے ہیں کہ جس میں حق و باطل کی تمیز مٹ جاتی ہے، اس لئے کہ باطل دلائل لے کر آتا ہے، اور یہ تمیز نہیں ہوتی کہ حق پر کون ہے، اور آجکل فتنے بارش کی طرح برس رہے ہیں، اور فتنہ سب سے پہلا ''خود رائی'' والے کو اچکتا ہے، یعنی جو کہتا ہے کہ میری بات صحیح ہے باقی سب کی باتیں غلط ہیں۔ لہٰذا ان فتنوں سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کسی بڑے کے حوالے کردے۔

خود رائی سے بچو

میرے عزیزو! میں آپ حضرات سے انتہائی دردمندی سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ کبھی بھی خود رائی میں مبتلا نہ ہونا، اور اپنے اکابر کے سائے میں رہنا، اگر آپکو اپنے اکابر اور اساتذہ پر اعتقاد اور اعتماد نہیں ہے تو پھر ان سے پڑھا کیوں ہے؟

وہ اوقات کس کام کے؟

آپ حضرات دین کی تبلیغ کے لئے نکلیں اور امت کے لئے فکر کریں، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''دعوت اس شخص کی مؤثر ہوتی ہے جس میں دعوت کا جذبہ اس کے بشری تقاضوں کی طرح ہو جائے'' حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جب بستر مرض پر تھے تو اس وقت حضرت والد صاحب رحمہ اللہ احکام القرآن پر کام کر رہے تھے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بستر علالت پر ہونے کی حالت میں لوگوں سے فرماتے کہ ذرا مولوی شفیع کو بلوا لینا، جب والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاتے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ آپ احکام القرآن میں فلاں آیت کے تحت یہ مسئلہ بھی ذکر کر دیں، اس کے بعد والد صاحب چلے جاتے، اور وہ کام کر لیتے، اس کے تھوڑی دیر بعد پھر حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے کہ ذرا مولوی شفیع کو بلوا لینا، تو کسی نے عرض کیا کہ آپ بستر مرض پر ہیں، آپ اس طرح نہ کریں آپ کو تکلیف ہوگی، تو اس وقت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک جملہ فرمایا، وہ جملہ آپ کو سنانا ہے، اور یہ جملہ یہ ہے کہ ''وہ اوقات

زندگی کس کام کے جو کسی کی خدمت میں صرف نہ ہوں"

حضرت تھانویؒ کے مواعظ کا مطالعہ

میرے بھائیو! میری ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی اصلاح کی فکر کریں، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کا مطالعہ کریں، چاہے ایک صفحہ ہی کیوں نہ ہو، اس کا معمول بنالیں، رفتہ رفتہ یہ مواعظ تمہیں اپنی طرف کھینچ لیں گے، اور انشاء اللہ یہ کسی شیخ کی صحبت کے قائم مقام ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اور نصرت فرمائے، اور ہر میدان میں کامیابی عطا فرمائے، اور ان تمام باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

قرآن کریم کی تعلیم

عظیم خدمت ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب
مولوی اسعد مدنی

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبرا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : مدرسہ تحسین القرآن، نوشہرہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم الله الرحمن الرحيم

قرآن کریم کی تعلیم عظیم خدمت ہے

پچھلے دنوں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا سمیع الحق صاحب اور محترم قاری عمر علی صاحب کی خصوصی دعوت پر نوشہرہ اور اکوڑہ خٹک تشریف لے گئے، جہاں آپ نے دیگر اجتماعات کے علاوہ نوشہرہ میں واقع مدرسہ تحسین القرآن کے ایک بڑے اجتماع سے بھی خطاب فرمایا، یہاں اطراف کے علماء اور طلبائے مدارس بڑی تعداد میں شریک تھے، یہ چشم کشا خطاب نذر قارئین ہے، جسے مولانا محمد اسعد مدنی نے قلم بند کیا۔
بشکریہ البلاغ، صفر ۱۴۳۳ھ.................................(میمن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۞ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۞ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۞ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۞ (القيمة: ۱۶ تا ۱۹).
اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلٰنَا الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

الامرفوق الادب

حضرت علمائے کرام! معزز حاضرین! اور میرے طالب علم ساتھیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یہ میرے لئے بہت عظیم سعادت اور مسرت کا موقع ہے کہ اس وقت الحمدللہ علم وفضل اور صلاح وتقویٰ کا انتہائی حسین گلدستہ اس مبارک محفل میں موجود ہے، اور اس کی زیارت اور ملاقات کا شرف اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا۔ اور میں اپنے بہت ہی عزیز دوست اور بھائی قاری عمر علی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے یہ مبارک موقع مجھ ناچیز کے لئے فراہم کیا، اور سچی بات یہ ہے کہ علم وفضل کے جو پہاڑ اور صلاح وتقویٰ کے جو امین اس محفل میں تشریف فرما ہیں، ان کی موجودگی میں اس منبر پر بیٹھنا اور کچھ لب کشائی میرے لئے ایک آزمائش بھی ہے اور مجھے اس سے شرمندگی بھی محسوس ہو رہی ہے، لیکن بزرگوں نے فرمایا ہے کہ "الامر فوق الادب" جب کوئی حکم مل جائے تو چھوٹے کا کام یہی ہے کہ اس کی تعمیل کرے، چاہے اس کے دل میں ادب کا تقاضہ اس کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے اپنی شرمندگی کے باوجود میں تعمیل حکم میں اس وقت اس منبر پر آپ حضرات کے سامنے موجود ہوں، اور لب کشائی کی جرأت کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے، اپنی رضائے کامل کے مطابق وہ بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے جو میرے حق میں بھی اور سننے والوں کے حق میں بھی فائدہ مند ہو۔ آمین

ابتدائی درجات کی تعلیم بنیادی پتھر ہے

آج اس مبارک مدرسے میں حاضری کا میرا پہلا موقع ہے، لیکن سارا سال قاری صاحب مجھے خط وکتابت سے نوازتے رہتے ہیں، اور مدرسے کے حالات سے کچھ واقفیت بھی اس ذریعے سے ہوتی رہتی ہے، اور یہ معلوم کر کے اور آنکھوں سے دیکھ کر بہت مسرت اور خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ الحمد للہ اس مدرسے میں قرآن کریم کی عظیم خدمت اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے اور اس کی توفیق سے انجام دی جارہی ہے، اور ایک ایسی خدمت انجام دی جارہی ہے کہ جس کی طرف ہمارے بہت سے مدارس کی توجہ نہیں ہے، اور وہ ہے قرآن کریم کی تعلیم وتدریس اور اس کو صحیح طرح پڑھنے پڑھانے کا اہتمام اور التزام، اس کی اس مدرسے میں خصوصی رعایت رکھی گئی ہے، یہاں الحمد للہ قرآن کریم کی تجوید اور حفظ، ناظرہ اور قرأت کی تعلیم اور اس کے ساتھ درس نظامی کے بھی کچھ درجات کا اہتمام ہے، اور میں کل ہی عرض کر رہا تھا کہ جب مجھے کسی مدرسے کے بارے میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہاں دورۂ حدیث تک پورے درس نظامی کے بجائے ابتدائی درجات کی تعلیم ہوتی ہے تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دورۂ حدیث تک تمام درجات کی تعلیم کے لئے الحمد للہ ہمارے ملک میں بہت ادارے قائم ہیں، لیکن ابتدائی تعلیم کی طرف توجہ دینے والے اور بنیاد کو مستحکم کرنے والے اداروں کی کمی ہے، اور یہ افسوسناک صورتحال بعض اوقات سامنے آتی ہے کہ لوگ اپنے مدرسوں میں دورۂ حدیث جاری کرنے کے شوق میں تعلیم وتدریس کے معیار سے

نیچے اتر کر طلبہ کو داخلہ دیدیتے ہیں، یہ بات ایک معیار فضیلت بن گئی ہے کہ ہمارے ہاں اتنے سو طالب علم دورۂ حدیث میں شریک ہیں، لیکن کیا دورۂ حدیث میں شریک ہونے والوں کی استعداد، ان کا تعلیمی معیار واقعۃً دورۂ حدیث کے قابل ہے یا نہیں؟ اس کی طرف بعض اوقات توجہ نہیں دی جاتی، ایسی مثالیں بھی ہیں کہ دورۂ حدیث میں پانچ چھ طالب علم ہیں، اور پانچ چھ ہی استاذ بھی ہیں، یہ بات درحقیقت اخلاص کے بھی منافی ہے اور تعلیم کے مقاصد کے بھی خلاف ہے، درحقیقت توجہ اس بات پر ہونی چاہیے کہ کمیت کے بجائے تعلیم کی کیفیت بہتر ہو، اور اس کے لئے ابتدائی تعلیم ایک بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہے، الحمدللہ اس ادارے میں یہ اہتمام نظر آیا، اسلئے بڑی مسرت ہے، بڑی خوشی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس میں مزید ترقی عطا فرمائے، اور اس کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول سے نوازے۔ آمین

قرآن کریم کی صحیح تلاوت خود مقصود ہے

اگرچہ قرآن کریم کا اصل مقصود اس کے معانی کو سمجھ کر اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق ڈھالنا ہے، لیکن اس کی پہلی سیڑھی، اس کی طرف چلنے کا پہلا درجہ قرآن کریم کی صحیح تلاوت ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مقاصد بعثت قران کریم نے بیان فرمائے وہ ایک جگہ نہیں، بلکہ قرآن کریم کے چار مقامات پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصدِ بعثت کو بیان فرمایا گیا، ان مقاصد بعثت میں سب سے پہلا مقصد ''يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ '' ہے، جبکہ ''يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ '' بعد میں ہے، اور مستقل مقصد کے طور پر بیان کیا گیا ہے، لیکن اس سے پہلے ''يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

آیٰتِہٖ ‘‘ یہ ایک مستقل مقصد بعثت قرار دے کر بیان فرمایا گیا ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہ پیغام ہدایت معنی سمجھ کر اس پر عمل کرنے کیلئے تو ہے ہی، لیکن اس کی تلاوت خواہ سمجھ کر ہو، یا بے سمجھے، یہ تلاوت بذات خود مقصود ہے۔

تلاوت کے آداب بھی ہیں

اور اس تلاوت کے بھی کچھ آداب ہیں، اس کا بھی خاص طریقہ مقرر ہے، اس طریقے کے مطابق تلاوت کی جائے گی تو اس کے ہر حرف پر دس نیکیاں انسان کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں، بشرطیکہ تلاوت کا حق ادا کیا گیا ہو ’’یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ‘‘ اور جو آیات ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں، ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاص طور پر اس پہلو کو بڑی ہی تاکید کے ساتھ اجاگر فرمایا، علمائے کرام کا مجمع ہے، تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، محض اشارے کے طور پر اس آیت کا شان نزول جو حضرات مفسرین نے بیان فرمایا ہے، عرض کرتا ہوں۔

آپ ساتھ ساتھ قرآن دہراتے جاتے تھے

ابتدا میں جب حضرت جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام قرآن کریم لے کر آتے تھے، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے تھے تو آپ کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ کوئی لفظ آپ بھول نہ جائیں، اس لئے ادھر حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والسلام قرآن کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا رہے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دہراتے جاتے تھے، تاکہ کوئی لفظ، کوئی حرف رہ نہ

جائے، ایک طرف تو نزول وحی کا بوجھ، ایسا بوجھ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جاڑے کے دنوں میں بھی آپ کی پیشانی مبارک پسینے سے تر ہوجایا کرتی تھی، ایسا بوجھ کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کا سر مبارک میرے زانو پر تھا، اور اس حالت میں وحی نازل ہوئی، تو مجھے ایسا لگا کہ جیسے میری ران پھٹ جائے گی، ایسا بوجھ کہ اگر آپ کسی جانور پر سوار ہوتے تو وحی کے بوجھ سے وہ جانور بیٹھنے لگتا تھا، ایک طرف تو وحی کا ایسا بوجھ اور دوسری طرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فکر کہ کہیں کوئی لفظ رہ نہ جائے، اس لئے ساتھ ساتھ آپ تلاوت کرتے جاتے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس وقت آپ کے اوپر یہ آیات نازل فرمائیں کہ ''لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ'' اس قرآن کے ذریعہ تم اپنی زبان کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں ''لِتَعْجَلَ بِهِ'' تاکہ جلدی جلدی اس کو یاد کرلو۔ کیونکہ ہمیں تمہاری مشقت گوارہ نہیں۔

قرآن یاد کرانا ہماری ذمہ داری ہے

قرآن کو یاد کرانا ہم نے اپنے ذمے لیا ہوا ہے، ''اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْاٰنَهُ'' ہماری ذمہ داری ہے کہ اس قرآن کو تمہارے سینے کے اندر محفوظ کرلیں، اور نہ صرف محفوظ کردیں بلکہ اس کے پڑھنے کا طریقہ بھی آپ کے دل میں پیوست کردیں، پھر اس پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ آگے فرمایا ''فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهُ'' اور جب ہم پڑھ دیں، اور ہمارے پڑھنے کا کیا مطلب؟ کہ ہمارا نمائندہ، ہمارا بھیجا ہوا فرشتہ حضرت جبرئیل امین علیہ الصلوۃ والسلام جب وہ پڑھ دیں، یہاں حضرت جبرئیل امین علیہ

السلام کی قرأت کو اپنی طرف منسوب فرما کر یہ بھی فرمادیا کہ یہ جو کچھ جس انداز سے پڑھ رہے ہیں، وہ ہماری ہدایت کے مطابق پڑھ رہے ہیں، ہمارے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق پڑھ رہے ہیں، گویا کہ ہم پڑھ رہے ہیں، جب ہم تلاوت کردیں، تو بس اس طریقہ تلاوت کی تم بھی اتباع کرنا۔

اس کی تشریح اور توضیح ہمارے ذمہ ہے

پھر آگے فرمایا ''ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ''یعنی صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ اس کی تشریح، اس کی توضیح، اس کا مطلب سمجھانا بھی ہماری ذمہ داری ہے، تمہیں اس کا بوجھ بھی اُٹھانے کی ضرورت نہیں کہ اس کے معنی محفوظ رکھنے کے لئے اپنے اوپر مشقت کرو، تو آپ دیکھئے! ''ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ '' یہ بعد میں ہے، لیکن جہاں تک تلاوت کا تعلق ہے، تو دو آیتیں اس کے لئے نازل فرمائیں یعنی ''اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ، فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ '' اس کے ذریعہ یہ بتلایا کہ جو بیان ہے اور جو تشریح ہے، وہ ایک مستقل مقصد ہے، اور اس سے پہلے اس کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ جس طرح پڑھایا جارہا ہے، اسی طرح تم پڑھو، لہٰذا صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ تم جب قرآن پڑھو تو اپنے اردو طریقے سے پڑھ لو، پنجابی طریقے سے پڑھ لو، پشتو طریقے سے پڑھ لو، نہیں، نہیں، جب ہم پڑھ رہے ہیں، یعنی ہمارا فرشتہ ہمارے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق پڑھ رہا ہے تو تم پر بھی لازم ہے کہ جب تم قرآن پڑھو تو اسی طرح پڑھو۔ ان دو آیتوں کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کو صحیح پڑھنے کی تاکید فرمائی، اور اس کو ایک مستقل مقصد قرار دیا ہے۔

نسخہ پڑھ لینے سے کیا فائدہ؟

اُن لوگوں کے طریقے سے مت پڑھو جو یہ سمجھتے ہیں اور یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ قرآن تو ایک نسخۂ ہدایت ہے، اور نسخۂ ہدایت اس وقت کارآمد ہوتا ہے، جب آدمی اس کو سمجھ کر اس کے اوپر عمل کرے، بعض مرتبہ اس پر مثالیں دی جاتی ہیں، مثلاً آج کل ایک بہت بڑا طبقہ یہ مثالیں دیتا ہے کہ اگر کسی طبیب نے کوئی نسخہ لکھ کر آپ کو دیا ہے، تو اس کا فائدہ اس وقت ہوگا جب آپ وہ دوائیں لے کر جو اس نسخہ میں لکھی ہوئی ہیں، وہ استعمال کریں، لیکن اگر کوئی شخص صرف نسخہ کو پڑھتا رہے تو پڑھنے سے کیا فائدہ....؟ فائدہ تو جب ہے جب اس نسخہ کو استعمال کرے۔

قرآن کا صرف پڑھنا بھی فائدہ مند ہے

لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ کے اندر بتا دیا کہ ہم یہ اہم نسخہ تمہارے پاس بھیج رہے ہیں، اس پر عمل تو کرنا ہی ہے، اور وہ تو ہے ہی فائدہ مند، لیکن اگر تنہا اس کو پڑھو گے بھی تو پڑھنا بھی تمہارے لئے دنیا وآخرت کی کامیابی ہے۔ ''فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ...يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ'' چنانچہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی اس محبت کو دیکھئے! کہ چونکہ یہ حکم آ گیا تھا کہ تلاوت بذات خود مقصود ہے اور یہ حکم آ گیا تھا ''يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ'' تو انہوں نے اس قرآن کریم کی تلاوت کو اسی طرح محفوظ کر لیا جیسے وہ نازل ہوئی تھی، اور جیسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اوپر عمل فرمایا تھا۔

علم تجوید اور علم قرائت کی ایجاد

اس کے لئے ایک ایسا علم ایجاد کر دیا جس کی نظیر پوری کائنات میں نہیں ہے، اور وہ ہے "علم تجوید" اور "علم قراءت" آپ ساری امتوں کی تاریخ اور سارے اقوام کے علوم کی تاریخ پڑھ جایئے، کہیں آپ کو علم تجوید کے مماثل کوئی اور علم نظر نہیں آئے گا، اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نے اس کو ایسا علم وفن بنا دیا، اور اس علم کے اندر یہ بتا دیا کہ کون سا حرف کس طرح ادا کیا جائے گا؟ اس کا مخرج کیا ہوگا؟ اس کی صفات کیا ہوں گی؟ صفات لازمہ کون سی ہیں؟ صفات عارضہ کون سی ہیں؟ اس کو غلط طریقے سے پڑھنے کے کیا انداز ہو سکتے ہیں؟ کون سا غلط طریقہ لحن جلی میں داخل ہے؟ کون سا طریقہ لحن خفی میں داخل ہے؟ ایک ایک چیز مدوّن کر کے بتا دی، بتا دیا کہ کون سا حرف زبان کے اور تالو کے اور منہ کے کون سے حصے سے کس طرح نکلے گا؟ دیکھو ساری دنیا میں مختلف زبانیں ہیں، ہر زبان کے کچھ حروف تہجی ہیں، اور حروف تہجی کو ادا کرنے کے طریقے ہیں، لیکن کسی زبان میں آپ کو یہ علم نہیں ملے گا کہ فلاں حرف کس طرح ادا کیا جائے گا؟

انگریزی زبان ناقص ہے

دیکھئے! اس وقت دنیا میں جس زبان کا سکہ چل رہا ہے، اور ساری دنیا کے اندر جس کو انٹرنیشنل زبان کہا جاتا ہے، وہ ہے انگریزی زبان، اور ہے بھی واقعۃً بڑی وسیع زبان، انگریزی زبان کی وسعت اب کچھ کچھ عربی زبان کی وسعت کے

قریب پہنچ رہی ہے، اگرچہ ابھی وہاں تک نہیں پہنچی، لیکن قریب پہنچ رہی ہے، اتنی وسیع زبان، لیکن امریکی لوگ اس کو اور طرح پڑھتے ہیں، بولتے ہیں، اور برطانیہ کے لوگوں کا طریقہ تلفظ اور ہے، اور حضرت مفتی صاحب (حضرت مولانا مفتی ضیاء الحق صاحب، مفتی و شیخ الحدیث دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ) تشریف فرما ہیں، جنوبی افریقہ کے لوگ اس کا تلفظ کسی اور طرح کرتے ہیں، کوئی قاعدہ اگر پوچھو کہ بھئی! یہ سی (C) بھی کاف کی آواز دیتا ہے، اور کے (K) بھی کاف کی آواز دیتا ہے، تو آیا ان دونوں کے مخرج میں کوئی فرق ہے؟ کوئی ایسا قاعدہ، کوئی ایسی کتاب، کوئی ایسا علم ہے، جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ بی (B) کا مخرج کیا ہے؟ اور سی (C) کا مخرج کیا ہے؟ اور ڈی (D) کا مخرج کیا ہے؟ اور کے (K) کا مخرج کیا ہے؟ اور ایل (L) کا مخرج کیا ہے؟ کوئی ایسی کتاب اور کوئی ایسا قاعدہ موجود نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ امریکن لہجہ ہے، یہ برٹش لہجہ ہے، لہجوں کا فرق ہے، لیکن حروف کے نکالنے کا طریقہ، مخرج، صفات، اس کا کوئی وجود نہیں۔

یہ قرآن کریم کا معجزہ ہے

یہ تنہا قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نے اتنی باریک بینی کے ساتھ، ایک ایک حرف کے مخرج کو، اس کی صفات کو، اس کی غلطیوں کو کتابوں میں مدوّن کر دیا، اور کتابوں میں مدوّن کرنے کے ساتھ ساتھ، سینہ بہ سینہ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک پڑھنے کا طریقہ "فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ" کی عملی تفسیر کر کے دکھا دی، یہ جو سند ابھی آپ پڑھ رہے تھے کہ یہ قرآن مجید

کی سند ہے، حالانکہ قرآن کریم تواتر کے ذریعہ پہنچا ہے، اس کو کسی سند کی ضرورت نہیں الحمد للہ۔

ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ" اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کرنے والے ہیں، اس قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے لے لیا، اگر ساری کائنات مل کر اگر۔ خدا نہ کرے۔ قرآن کریم کے اندر کوئی تحریف کرنا چاہے، تو ان کی قدرت سے باہر ہے، ساری دنیا میں قرآن کریم کے نسخے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ کسی طرح ختم کر دیے جائیں، تب بھی قرآن کریم ختم نہیں ہو سکتا، ایک دس سال کا بچہ بھی کھڑے ہو کر پورا قرآن لکھوا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے، لہٰذا قرآن کریم کو سند کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ جب تواتر ہو جاتا ہے تو تواتر کو سند کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اسکے پڑھنے کے طریقے بھی محفوظ ہیں

لیکن اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نے چونکہ صرف قرآن ہی کو محفوظ کرنا نہیں تھا، بلکہ قرآن کے پڑھنے کے طریقے کو بھی محفوظ رکھنا تھا، اس لئے اس کی سند کا اہتمام بھی فرمایا، اور آج تک الحمد للہ وہ سند متصل اس طرح چلی آتی ہے، ابھی آپ نے پڑھا کہ ہم سے لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کس کس طرح پڑھا گیا ہے، وہ سب کچھ الحمد للہ محفوظ ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے

اس کتاب کی خصوصیت رکھی ہے، دنیا کی کوئی کتاب، پچھلے پیغمبروں کی کتابیں اور صحیفے کوئی اس طرح محفوظ نہیں رہ سکے، پڑھنے کے طریقے تو در کنار، الفاظ تک محفوظ نہیں رہ سکے، کوئی سند محفوظ نہیں رہ سکی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے محفوظ رہنے کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا تھا، کوئی ضمانت نہیں لی تھی، اور اس لئے نہیں لی تھی کہ اس کے بعد ''خاتم الکتاب'' آنے والی تھی، اس کے ساتھ ''خاتم الرسل'' صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے تھے، وہ کتاب جو قیامت تک باقی رہنے والی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا، لیکن اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نے اس کے الفاظ کو ہی نہیں، اس کے پڑھنے کے طریقے کو بھی اسی طرح محفوظ رکھا۔

افسوسناک صورتحال

یہ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ اگر ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں تو بسا اوقات یہ افسوسناک صورتحال سامنے آئے گی کہ ہم دورۂ حدیث بھی کر گئے، تخصص فی الحدیث بھی کر لیا، تخصص فی الفقہ بھی کر لیا، لیکن جب ہم قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو تلاوت اس طرح نہیں ہوتی، جس طرح قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ ''فـاتبع قرآنه '' لہٰذا جتنی اہمیت ہم دوسرے علوم کو دے رہے ہیں تو قرآن کریم کی تعلیم کو، اس کی تلاوت کو، اس کے حفظ کو، اس کی تجوید کو کم سے کم اس کے برابر اہمیت تو دیں، اصولاً تو اس سے زیادہ اہمیت دینی چاہیے تھی، لیکن یہ چیز اب ختم ہوتی جا رہی ہے، اور اس کا اہتمام اچھے خاصے فارغ التحصیل علماء کے اندر بھی کم نظر آتا ہے، اس لئے الحمد للہ یہاں اس مدرسے میں چونکہ اس کا اہتمام نظر آیا

تو اس واسطے مجھے بڑی دلی مسرت ہے، اور یہ ہمارے لئے ایک قابل تقلید مثال ہے کہ ہم اپنے درجات حفظ کو اور درجات تعلیم قرآن کو اہمیت دیں۔

حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مجھے اس موقع پر اپنے بزرگ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری خلیفہ تھے، ہندوستان میں ابھی کچھ عرصے پہلے ان کا انتقال ہوا، ان کی بات یاد آتی ہے، اور وہ ہم سب کے لئے بڑا اہم سبق ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اکثر و بیشتر یہ دیکھتا ہوں کہ مدارس کے اندر جو درجات کتب ہیں، ان کی درس گاہیں تو بڑی عالی شان ہیں، اور ان کے اندر انتظامات بھی بڑے اعلیٰ درجے کے ہیں، لیکن اگر ان کا درجۂ ناظرہ اور حفظ جا کر دیکھو، جہاں بچوں کو ناظرہ اور حفظ کی تعلیم دی جا رہی ہے، وہ بالکل خراب حالت میں ہوتا ہے، ایک طرف تو وہاں کی حالت ظاہری اعتبار سے بھی خراب نظر آتی ہے، اور اساتذہ کے انتخاب میں بھی کما حقہ توجہ نہیں دی جاتی، درجۂ حفظ و ناظرہ میں تنخواہیں بھی درجات عربی کے اساتذہ کی تنخواہوں کے مقابلے میں کم ہوتی ہیں۔

تم میں سب سے اچھا کون ہے؟

فرماتے تھے کہ بھئی تمہارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر کہ ''خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ'' پر ایمان ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو جو قرآن کی تعلیم دے رہا ہے، چاہے قرآن کے الفاظ کی تعلیم دے رہا ہو، حفظ کی تعلیم دے رہا

ہو، قراءت کی تعلیم دے رہا ہو، تجوید کی تعلیم دے رہا ہو، اس بات کو مانو کہ وہ تم میں سب سے اچھا ہے ''خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَه'' اس بات کو مانو کہ تم میں سب سے اچھا وہ شخص ہے جو قرآن کی تعلیم دے رہا ہو، قرآن کی تعلیم میں ساری باتیں داخل ہیں، قرآن کے الفاظ کی تعلیم، قرآن کی تلاوت کی تعلیم، قرآن کے حفظ کی تعلیم، قرآن کے معانی کی تعلیم، تفسیر کی تعلیم، جو کچھ بھی ہو وہ سب ''خیر کم من تعلم القرآن و علمه'' میں داخل ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ معاشرے میں قرآن کریم پڑھانے والوں کو اتنا نچلا درجہ دے رکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی یہ بتاتا ہے کہ بھئی میں مکتب میں بچوں کو قرآن کریم پڑھاتا ہوں، تو وہ یہ کہتے ہوئے بعض اوقات شرماتا ہے، اگر یہ کہے کہ میں بخاری پڑھاتا ہوں، اگر یہ کہے کہ میں دورۂ حدیث کا استاذ ہوں تو فخر کے ساتھ کہتا ہے، لیکن قرآن کریم کا ناظرہ پڑھانے والا، حفظ پڑھانے والا احساس کمتری کا شکار ہوتا ہے، آخر کیوں؟ لہٰذا وہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے مدارس کے اندر قرآن کریم پڑھانے والوں کو، چاہے وہ مکتب میں ناظرہ وحفظ پڑھا رہے ہوں، ان کو اعلیٰ مقام دو، ان کو ایک امتیازی مقام دو، ان کی تنخواہوں کے اعتبار سے بھی، ان کے معاشرتی رتبے کے اعتبار سے بھی، ان کو اعلیٰ مقام دو، تاکہ اس کی طرف لوگوں کو توجہ ہو کہ یہ بھی بہت اہم کام ہے، اور اس کی تعلیم دینے والے بھی بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں۔

اپنے آپ کو کمتر مت سمجھو

ہمارے بہت سے ساتھی جو دورۂ حدیث سے فارغ ہوتے ہیں، ان کو بسا

اوقات کتابیں پڑھانے کا موقع نہیں ملتا، تو وہ اس بات سے شرماتے ہیں کہ اگر ہم کہیں مکتب قائم کرلیں گے، تو لوگ کہیں گے کہ آٹھ سال تو تم نے درس نظامی پڑھا ہے، اور اس کے بعد مکتب میں بیٹھے بچوں کو نورانی قاعدہ اور ناظرہ پڑھا رہے ہو، خوب سمجھ لیں! کہ اگر کسی کو نورانی قاعدہ یا ناظرہ پڑھانے کا موقع مل گیا ہے، اور کتابیں پڑھانے کا موقع نہیں ملا تو یقین رکھو کہ تم ''خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَه'' کے مصداق ہو، اگر نیت تمہاری قرآن کریم کی خدمت کی ہے، لہٰذا اپنے آپ کو ان دوسرے لوگوں سے کم تر مت سمجھو، کیونکہ تم قرآن کے خادم ہو، قرآن کریم کے الفاظ کی خدمت کر رہے ہو، کسی بچے کے دل میں تم نے قرآن ڈال دیا، تو تمہارے لئے ساری زندگی دنیا و آخرت کا صدقہ جاریہ بن گیا، بس نیت درست ہونی چاہیے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری نیتیں درست رکھے، اور طریقہ درست رکھے، تو الحمدللہ جو کچھ بھی ہم پڑھائیں گے وہ انشاء اللہ ہمارے لئے ذخیرہ آخرت ہوگا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ سے سنا کہ طلباء کی عصر کے بعد جب چھٹی ہوتی ہے، تو عصر اور مغرب کے درمیان تو وہ کھیل کود میں حصہ لیتے ہیں، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا بچپن میں یہ معمول تھا کہ عصر کی چھٹی میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں حاضر ہو جایا کرتا تھا، ان کی صحبت میں قیمتی باتیں سنتا تھا، بس یہی میری تفریح تھی، لہٰذا جو بھی خدمت کا موقع مل جائے، اس کو ذلیل نہ سمجھو، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف

سے اعزاز ہے جو تمہیں عطا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو

میرے ایک ساتھی تھے، دورۂ حدیث سے فارغ ہو کر ایک دوسرے ملک میں گئے، تو وہاں ان کو کتابیں پڑھانے کا کوئی موقع ملا نہیں، اس لئے کہ نہ وہاں کوئی مدرسہ، نہ وہاں کوئی پڑھنے والا طالبعلم، چنانچہ ان کو ایک مسجد میں مکتب کی خدمت سپرد ہوگئی، میرا ایک دفعہ وہاں جانا ہوا، تو ان کے منہ سے یہ بات نکلی کہ حضرت! مجھے اس بات کا بڑا صدمہ ہے کہ میں نے اتنے سال تک درس نظامی کی تعلیم حاصل کی، لیکن اب یہاں بچوں کو پڑھانے میں لگا ہوا ہوں، وقت ضائع ہو رہا ہے، یہ بات ان کے منہ سے نکل گئی، میں نے کہا بھئی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو، یہ وقت جو تم بچوں کی خدمت میں لگا رہے ہو، یہ معمولی خدمت نہیں ہے، ارے تم نے یہ پڑھا کیوں تھا؟ اس لئے پڑھا تھا تاکہ تم ''شیخ الحدیث'' کہلاؤ؟ اس لئے پڑھا تھا کہ لوگ تمہارے ہاتھ چومیں؟ اس لئے پڑھا تھا کہ لوگ تمہیں بڑا عالم سمجھیں؟ اگر اس لئے پڑھا تھا تو یہ پڑھنا بیکار ہے، اور اگر اس لئے پڑھا تھا کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے، اگر اس لئے پڑھا تھا کہ میں اپنے دین کی خدمت (جو بھی ہو، جس وقت بھی ہو، جس جگہ بھی بن پڑے) انجام دوں، پھر تو یہ پڑھنا مبارک ہے، اس لئے اگر یہاں کوئی اور خدمت میسر نہیں تو یہ بڑی عظیم خدمت ہے، جو تم انجام دے رہے ہو، جو بچے تمہارے پاس پڑھنے کے لئے آ رہے ہیں، ان کو جب قرآن پڑھاؤ گے، اور قرآن پڑھانے کے ساتھ قرآن کے آداب و احکام کے مطابق ان کی

تربیت کرو گے، ان میں سے ایک ایک بچہ تمہارے لئے صدقہ جاریہ ہوگا، اور جب یہ بچہ آگے جا کر یہی آداب، یہی اخلاق، یہی علم دوسروں کو پہنچائے گا تو وہ تمہارے لئے صدقہ جاریہ ہوگا، قیامت تک اس کا ثواب تم تک پہنچے گا، اور تم کہتے ہو کہ وقت ضائع ہو رہا ہے، یہ وقت ضائع نہیں ہو رہا ہے، بلکہ بہت بڑے کام میں لگ رہا ہے، بہرحال! بھئی اس کی قدر پہچاننے کی ضرورت ہے۔

یہ بڑی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں

یہ جو ہمارا مزاج بنتا جا رہا ہے کہ قرآن کریم کے حفظ، ناظرہ اور تجوید کی طرف سے بے توجہی ہم لوگ برتتے ہیں، یہ بہت بڑا جرم ہے، اللہ تعالیٰ کے کلام کی جو خدمت، جس انداز سے جس وقت، جس جگہ، اللہ تبارک وتعالیٰ لے لے، الفاظ کی ہو، معنی کی ہو، اس کی دعوت کی ہو، اس کی تبلیغ کی ہو، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا انعام ہے، اس لئے جو مدارس خاص طور پر اس کام میں لگے ہوئے ہیں، وہ بہت عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کی خدمات کو قبول فرمائے، اور ہمیں قرآن کریم کی عظمت، اس کی محبت، اور اس کی صحیح خدمت کرنے کا جذبہ عطا فرمائے۔ آمین

استاذ سبق سے پہلے اللہ کی طرف رجوع کرے

دوسری گزارش یہ ہے کہ ہمارے تمام مدرس دینیہ، چاہے وہ کسی درجے کے ہوں، اور چاہے اس میں کسی بھی مقام پر تعلیم دی جاتی ہو، ان سب کی اصل روح

''رجوع الی اللہ'' اور ''تعلق مع اللہ'' ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع، اگر ہر استاذ اپنی درسگاہ میں جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے یہ دعا مانگے، چاہے راستے میں جاتے ہوئے ہی مانگے کہ یا اللہ! میں پڑھانے کے لئے جا رہا ہوں، میرے اندر کوئی صلاحیت نہیں ہے، میرے اندر کوئی استطاعت نہیں ہے، آپ اپنے فضل وکرم سے، اپنی رحمت سے میرے قلب پر وہ جاری فرما دیجئے جو ان طالب علموں کے لئے بھی فائدہ مند ہو، اور میرے لئے بھی فائدہ مند ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے سبق پڑھاؤ گے، تو دیکھو گے کہ سبق پڑھانے کے اندر کیا انوار وبرکات ہوں گے۔

طالب علم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے

طالب علم جب پڑھنے جا رہا ہے، وہ بھی جاتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرے، اللہ تعالیٰ سے مانگے کہ یا اللہ! جو پڑھنے جا رہا ہوں اس کو صحیح طور پر سمجھنے کی بھی توفیق نصیب فرما، اس پر عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرما، اس کو یاد رکھنے کی بھی توفیق عطا فرما، رجوع الی اللہ کے ساتھ جو بھی کام کیا جاتا ہے، وہ درحقیقت برگ وبار لاتا ہے، اس سے فائدہ ہوتا ہے، اس میں انوار وبرکات ہوتے ہیں ''اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیَةً لِّکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ'' (سبا:۹) ''منیب'' بن جاؤ، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے بن جاؤ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ''اَللّٰهُ یَجْتَبِیْ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ'' (الشوریٰ:۱۳) اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے، اس واسطے انابت الی اللہ اور رجوع الی اللہ کو اپنا شعار بنا کر اگر ہم

خدمت انجام دیں گے تو انشاء اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان میں انوار وبرکات عطا فرمائیں گے۔

بیان کے بعد سوال وجواب مغربی طرز عمل ہے

ایک بات اور میں عرض کردوں، ہمارے ایک بزرگ تھے، اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ حضرت مفتی زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ بڑے بزرگ اللہ والے آدمی تھے، انہوں نے ایک مرتبہ ایک بات بیان فرمائی تھی، اور مجھے اس کا بڑا عملی تجربہ ہوا، وہ یہ فرماتے تھے کہ کسی بیان کے بعد، کسی تقریر کے بعد، سوال وجواب کی جو نشست ہوتی ہے، اس کا باقاعدہ اعلان ہوتا ہے کہ بھئی سوال وجواب کی نشست ہوگی، وہ فرماتے تھے کہ یہ سوال وجواب کی نشست ہمارے ہاں مغرب سے آئی ہے، یعنی مغربی ملکوں میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی آدمی لیکچر دیتا ہے، تو لیکچر کے بعد (آنسر سیشن (Answer session) کہلاتا ہے) وہ ہوا کرتا ہے، تو وہ فرماتے تھے کہ میرا تجربہ یہ ہے کہ اس طرح آنسر سیشن جو ہوتا ہے، یہ اس بیان کے مجموعی اثر وتأثر کو زائل کردیتا ہے، کیونکہ سوال وجواب کا اور محل ہوتا ہے، لہٰذا کسی اور موقع پر کسی کو سوال وجواب کرنا ہو تو وہ انفرادی طور پر کرلیا جائے۔

مجمع عام میں فقہی مسائل سے گریز کریں

دوسری بات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے تھے، اور اس کا بھی مجھے ذاتی طور پر تجربہ ہوا، وہ فرماتے تھے کہ مجمع عام میں فقہی مسائل بیان نہیں کرنے چاہئیں، یعنی ایسے مسائل جس میں ذرہ برابر بھی کوئی معمولی "تشقیق" ہو وہ مجمع عام میں نہیں بیان کرنی چاہیے، کیوں؟ اس لئے کہ سننے والے بعض اوقات اس مسئلہ کو غلط سمجھتے ہیں، اور فتویٰ دینے والا یا مسئلہ بیان کرنے والا، اس مسئلہ کی جو مختلف حدود اور شرائط بیان کرتا ہے، لوگ ان حدود اور شرائط کو تو بھول جاتے ہیں اور اپنی طرف سے ایک نتیجہ نکال کر لوگوں کے سامنے پھیلا دیتے ہیں کہ فلاں مولانا صاحب نے فلاں موقع پر یہ مسئلہ بیان کیا تھا، جبکہ وہ غلط ہوتا ہے، ایک تو یہ خرابی ہوتی ہے۔

مجمع عام میں مسئلہ بیان کرنے کی خرابی

دوسری خرابی یہ ہوتی ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں دوسرے شہر میں جاتا ہوں، ان سے مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھتا ہے تو میں وہاں کہتا ہوں کہ بھئی یہاں کے جو مقامی اہل فتویٰ ہیں، ان سے رجوع کرو، اس لئے کہ میرا جواب دو حال سے خالی نہیں، یا تو ان کے مطابق ہوگا، یا ان کے مخالف ہوگا، اگر مطابق ہوا تو مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت...؟ یہیں کے لوگوں سے پوچھنا چاہیے، کیونکہ وہی جواب ملے گا جو میں دوں گا، اور اگر مخالف ہوا تو دو حال سے خالی نہیں، یا وہ سوال کرنے والے میرے معتقد ہوں گے، یا یہاں کے علماء کے معتقد ہوں گے، اگر یہاں کے علماء کے معتقد ہوں گے تو سوال کرنے والے کہیں گے کہ بھئی یہ مولانا کہاں سے آ گیا، اس نے جو مسئلہ بتایا، ہمارے عالم صاحب نے

تو اس کے مخالف بتایا تھا، اور اگر وہ میرا معتقد ہوا تو میں تو کہہ کر چلا جاؤں گا، اور وہ سوال کرنے والا مقامی اہل فتویٰ سے بدگمان ہو جائے گا کہ بھئی یہ مسئلے غلط بتا رہے تھے، فلاں بڑا مفتی آیا تھا، اس نے تو یہ مسئلہ بیان کیا تھا، اس واسطے حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ مجمع عام میں فقہی مسائل بیان کرنا مناسب نہیں ہوتا، خود مجھے اس کا تجربہ ہوا کہ ایک جگہ میں نے کہیں کوئی مسئلہ بیان کر دیا تھا، تو بعد میں معلوم نہیں کہاں کہاں سے خطوط اور ٹیلی فون آئے کہ ایک صاحب جو بڑے مشہور صاحب ہیں، انہوں نے تقریر میں یہ بیان کیا کہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ٹیپ ریکارڈر پر قرآن سننا، گانا سننے سے زیادہ بدتر ہے، اب میرے فرشتوں کو بھی یہ خبر نہیں کہ میں نے کبھی یہ فتویٰ دیا ہو، لیکن پتہ نہیں ان صاحب نے کس بات سے یہ نتیجہ نکالا، اور نکال کر یہ فتویٰ مشہور کر دیا۔ لہٰذا مجمع عام کے اندر سوال و جواب کا اور خاص طور پر فقہی مسائل کا ذکر کرنا یہ مناسب نہیں ہے، جو گزارش کی گئی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (القرآن)

آج کس کی بادشاہت ہے؟.....

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (القرآن)

”اللہ ہی کی بادشاہت ہے، جو ایک ہے اور سب پر غالب ہے“

صدق اللہ العظیم

دین کی دعوت دینے کا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولوی اعجاز احمد صمدانی

میمن اسلامک پبلشرز
لیاقت آباد نمبرا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : درسگاہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد،
جامعہ دار العلوم کراچی۔
اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دین کی دعوت دینے کا طریقہ

جامعہ دارالعلوم کراچی میں تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے طلباء سے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے دعوت دین کے موضوع پر خطاب فرمایا، جسے مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب نے قلم بند فرمایا، جو ہدیہ قارئین ہے، بشکریہ البلاغ، محرم ۱۴۳۳ھ .... (میمن)

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم، اما بعد!

تمہیدی کلمات

میرا ارادہ شروع میں یہ تھا کہ تعلیمی سال کے دوران بھی وقتاً فوقتاً گفتگو کرنے کا موقع ملے، لیکن آپ حضرات کے علم میں ہوگا کہ اس سال کئی مہینے میرے بیماری میں گزرے ہیں، اس کی وجہ سے میں اپنے روز مرہ کے فرائض بھی پوری طرح انجام نہ دے سکا، اور اس کی وجہ سے بہت سے کام جمع ہوگئے، لیکن الحمدللہ میں آپ کے اساتذہ سے شعبہ کی کارکردگی اور اس کے مسائل سے متعلق معلومات حاصل کرتا رہا ہوں، اور بحیثیت مجموعی یہ اطمینان ہوا ہے کہ روز بروز اس شعبہ کے معیار میں ترقی ہو رہی ہے، جس کے لئے حضرت مولانا ساجد الرحمٰن صاحب اور

حضرت مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب دونوں نے بڑی محنت سے کام کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ انشاء اللہ یہ شعبہ مزید ترقی کرے گا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج کی مجلس میں اس شعبے کے قیام کے اغراض و مقاصد اور یہاں تعلیم حاصل کرنے والوں اور فارغ ہونے والوں کے طرزِ عمل کے بارے میں کچھ بات ہو جائے۔

دعوت دین کا خلاصہ

اتنی بات تو آپ سب پر واضح ہے کہ اس شعبے کا مقصد دعوت و ارشاد کے لئے افراد تیار کرنا ہے، اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ درس نظامی کی تکمیل کے ذریعے علوم اسلامیہ سے الحمدللہ ایک طالب علم کو اچھی طرح واقفیت ہو جاتی ہے، لیکن دنیا کے ہر علم و فن کا قاعدہ یہ ہے کہ محض نظریاتی تعلیم کافی نہیں ہوتی، بلکہ اس کے ساتھ تربیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اور مقصد کے ساتھ اس کے متعلقات کو بھی صحیح طریقے سے جاننے کی ضرورت ہوتی ہے، اس غرض سے یہ شعبہ قائم کیا گیا تھا کہ فضلاء درس نظامی کو دعوت دین اور ارشاد کے لئے تیار کیا جائے۔

آپ جانتے ہیں کہ ساری دعوت دین کا خلاصہ اس آیت کریمہ میں ہے، جس میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل : ١٢٥)

ترجمہ: ”اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے

ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو (اور بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو''

اللہ رب العزت نے دعوت کا پورا کام تین خانوں میں سمیٹ دیا ہے کہ دعوت حکمت کے ساتھ ہونی چاہیے، موعظۂ حسنہ کے ساتھ ہونی چاہیے، اور جہاں جدال کی ضرورت ہو وہاں جدال بالتی ھی احسن ہونا چاہیے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک داعی کو چاہیے کہ وہ ان تین کاموں کو اختیار کرے۔

(۱)...حکمت (۲)...موعظۂ حسنہ (۳)...جدال بالتی ھی احسن

حکمت کیا ہے؟

حکمت کا کیا مفہوم ہے؟ حکمت کے اندر وہ علوم اور معلومات آتی ہیں جن کی داعی حق کو دعوت کے وقت ضرورت پیش آتی ہے، اور یہ لفظ دو چیزوں کو شامل ہے، ایک ''علوم الواقع'' ہیں، جس کا مطلب ہے کہ زمین کے اوپر جو حقائق ہیں یعنی جو واقعات پیش آ رہے ہیں، جس قسم کے خیالات لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو رہے ہیں اور جس قسم کے جذبات لوگوں کے دلوں میں پروان چڑھ رہے ہیں، ان کی معرفت، یہ بھی حکمت میں داخل ہے، کیونکہ اگر آدمی کو اپنے مخاطب کے مزاج کا صحیح علم نہ ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی نفسیات کیا ہیں، کس قسم کے جذبات اس کے دل میں ہیں؟ اس وقت تک وہ اپنی بات کو مؤثر طریقے سے نہیں پہنچا سکتا۔ دوسری چیز اپنی بات پہنچانے کا ایسا ڈھنگ معلوم ہو، جو مخاطب کی ذہنیت، مزاج، نفسیات کے عین مطابق ہو اور اس پر زیادہ اثر انداز ہو سکے۔

آج کل جدید لکھنے والوں نے ایک اصطلاح استعمال کی ہے وہ ہے ''فقہ الواقع''، اس طرح فقہ کی دو قسمیں بن جاتی ہیں:

۱۔ فقہ الدین یعنی اصول شریعت اور احکام شریعت کی معرفت

۲۔ فقہ الواقع یعنی زمین کے حقائق اور واقعات کا صحیح علم، جب تک ان کا صحیح علم نہ ہو، فقہ الدین کو واقع پر منطبق کرنے کا سلیقہ نہیں آتا۔

آپ جانتے ہیں کہ منطق میں ایک صغریٰ ہوتا ہے، اور ایک کبریٰ ہوتا ہے، کبریٰ ایک کلیہ ہوتا ہے، جبکہ صغریٰ ایک جزئیہ ہوتا ہے، جب صغریٰ اور کبریٰ دونوں ملتے ہیں تو نتیجہ نکلتا ہے، اور نتیجہ کے صحیح ہونے کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ کبریٰ صحیح ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ صغریٰ واقع کے مطابق ہو، اگر کبریٰ صحیح لگا دیا، مگر صغریٰ واقع کے مطابق نہیں ہے تو نتیجہ بھی واقع کے مطابق نہیں ہوگا، لہٰذا جس طرح کبریٰ کا علم ضروری ہے، اسی طرح صغریٰ کا علم بھی ضروری ہے، اسی صغریٰ کا دوسرا نام فقہ الواقع ہے۔

جب تک آپ زمینی واقعات سے آگاہ نہیں ہوں گے، اس وقت تک اصول شریعہ کو واقع پر صحیح طریقے سے منطبق نہیں کرسکیں گے، کس آدمی کو کس مرحلے پر کس انداز سے متاثر کیا جاسکتا ہے، یہ واقع کی بات ہے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا تو فرمایا:

اُدْعُهُمْ اِلٰى شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِنْ هُمْ اَجَابُوْا لِذٰلِکَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِی الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ ...... الخ

(شعب الایمان للبیهقی، باب الدعاء الی الایمان)

ترجمہ : ان کو لا الہ اللہ کی شہادت کی دعوت دو، اگر وہ قبول کرلیں
تو انہیں بتاؤ کہ ان پر اللہ تعالی نے ایک دن رات میں پانچ نمازیں
فرض کی ہیں.....الخ

دیکھئے! نمازوں کا فرض ہونا ایک حقیقت ہے، اس کا انکار ہو ہی نہیں سکتا، لیکن آپ نے تدریج یہ بتائی کہ پہلے شہادتین کی دعوت دو، جب وہ قبول کرلیں تو پانچ نمازوں کی بات کرو، پانچ نمازیں قبول کرلیں تو زکوٰۃ کی بات کرو، اور دوسرے احکام کی بات کرو، حالانکہ اصول تو متیقن ہیں، مگر یہ اس لئے کہ مخاطب کے اوپر ایک دم سے بہت ساری چیزوں کا بوجھ نہ پڑ جائے جس کے نتیجے میں وہ بھاگ جائے۔

چونکہ واقع کا جاننا حکمت کے اندر داخل ہے اس لئے آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہم نے اپنے نصاب میں اس واقع کو بیان کرنے کے لئے بہت سے مضامین شامل کئے ہیں، آپ کو اگر تقابل ادیان پڑھایا جارہا ہے تو درحقیقت وہ واقع کا بیان ہے کہ دوسرے مذاہب میں کیا صورتحال ہے، اگر آپ کو انگریزی پڑھائی جارہی ہے تو وہ اس لئے کہ دنیا میں اس کا چلن ہے، اور آپ کی بات اس کے ذریعہ زیادہ مؤثر ہوسکتی ہے، آپ زیادہ اچھے طریقے سے لوگوں کی ذہنیت کو سمجھ سکتے ہیں، اور اپنی بات کو زیادہ مؤثر طریقے سے پہنچا سکتے ہیں، اسی طرح جدید فلسفے کی باتیں داخل کی گئیں ہیں، وہ بھی اس لئے کہ واقع میں لوگوں کے ذہنوں میں جو خیالات پرورش پارہے ہیں ان کو آپ سمجھیں، مختلف فرقوں کا بیان ہے تو وہ بھی اسی میں

داخل ہے۔

اپنی بات پہنچانے کا صحیح ڈھنگ آنا بھی ضروری ہے

میں سمجھتا ہوں کہ واقع کے علم کے ساتھ حکمت میں یہ بھی داخل ہے کہ واقع کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی بات پہنچانے کا ایسا ڈھنگ معلوم ہو، جو مخاطب کی ذہنیت، مزاج، نفسیات کے مطابق ہو، اور اس پر زیادہ اثر انداز ہو سکے۔

میں نے حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) کا واقعہ جناب مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ان کے ایک صاحب سے دوستی کے تعلقات تھے، ان کی داڑھی نہیں تھی، مگر آتے جاتے تھے، ملاقاتیں ہوتی تھیں، ایک موقع پر مولانا نے ان سے داڑھی رکھنے کی فرمائش کر دی کہ بھئی آپ داڑھی رکھ لیں، کیونکہ یہ سنت ہے، اس نے آنا چھوڑ دیا، اس پر حضرت نے فرمایا کہ "میں نے کچے توے پر روٹی ڈال دی" آپ کو معلوم ہے کہ روٹی پکانے کے لئے ضروری ہے کہ توے کو پہلے گرم کیا جائے، اگر توا کچا ہو یعنی گرم نہ ہو تو روٹی پکنے کے بجائے خراب ہو جاتی ہے، تو حضرتؒ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ ابھی تربیت کے کچھ مراحل باقی تھے، ان کو پورا کرنا چاہئے تھا، اس کے بعد اُسے احکام پر آنے کی دعوت دینی چاہئے تھی، لیکن میں نے جلدی سے کام لیا، اس کی وجہ سے یہ نقصان ہوا۔ بہر حال، واقع کے علم کے ساتھ ساتھ اس بات کا علم کہ کبریٰ، صغریٰ کے ساتھ مل کر کب نتیجہ نکالے گا، ان دو چیزوں کا مجموعہ "حکمت" کہلاتا ہے۔

نصاب کے ساتھ عملی مشق

پہلی چیز یعنی واقع کے علم کے لئے یہ سارا نصاب مرتب کیا گیا ہے، جس میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ آپ کو مختلف ادیان کا بھی علم ہو، مختلف نظریات اور مذاہب کا بھی علم ہو، لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے شبہات کا بھی علم ہو اور جدید فقہی مسائل اور موجودہ فکری گمراہیوں کا بھی علم ہو، اور دو اہم زبانوں عربی اور انگریزی پر بھی عبور ہو۔

جبکہ دوسری چیز یعنی اس کے لئے مناسب وقت کا انتخاب اور اپنی بات پہنچانے کا ڈھنگ، یہ کوئی ایسا ریاضی کا فارمولا نہیں جسے دو اور دو چار کی طرح بتا دیا جائے، اس کے لئے عملی تربیت اور مشق کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے لئے ہم نے یہ چاہا کہ تبلیغی جماعت کا کام جو الحمد للہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے، اور اس کا فائدہ دوسری جماعتوں سے کہیں زیادہ ہے، اُس میں آپ حضرات حصہ لیں، اس کے ذریعہ آپ کو لوگوں تک دینی بات پہنچانے اور اُسے مؤثر بنانے کا سلیقہ آئے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے افراد میں ایک جذبہ اور دُھن ہوتی ہے، اور دعوت کا کام دُھن اور جذبے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے فرمایا کہ ''صحیح معنی میں داعی وہ ہے کہ جس کے لئے دعوت بمنزلہ حوائج بشریہ کے ہو'' یعنی جس طرح کوئی شخص بھوکا ہو تو جب تک کھانا نہ کھالے چین نہیں آتا، پیاسا ہو تو پانی پئے بغیر چین نہیں آتا، اسی طرح داعی کو دعوت دیے بغیر چین نہیں آتا۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ماضی قریب میں اس کا صحیح مصداق مولانا شاہ

اسمٰعیل شہیدؒ ہیں کہ ان کے لئے دعوت بالکل ایسے ہوگئی تھی جیسے حوائج بشریہ ہوتے ہیں، اسی دُھن کا اثر یہ تھا کہ ایک مرتبہ طوائفوں کے اڈے پر پہنچ گئے اور وہاں جا کر بھی دعوت دی۔

دعوت صرف نظریاتی چیز نہیں

معلوم ہوا کہ دعوت صرف ایک نظریاتی چیز نہیں، بلکہ اس کے لئے دُھن اور لگن کی بھی ضرورت ہے، ہم نے تبلیغی جماعت کے ساتھ آپ کو جو رشتہ جوڑنے کا جو مشورہ دیا تھا، اس کا مقصد دو چیزیں حاصل کرنا تھا۔

(۱)..... دُھن اور لگن (۲)..... دعوت دینے کا طریقہ اور سلیقہ

لیکن چونکہ اسی اختیاری رکھا گیا تھا، طلبہ پر لازم نہیں کیا گیا تھا، اس لئے اس سے کماحقہٗ فائدہ نہیں اٹھایا گیا، اب بھی ہم یہ چاہتے ہیں کہ لازمی کئے بغیر آپ حضرات اس کی اہمیت کو محسوس کریں اور اس میں باقاعدہ حصہ لیں، جب تک آپ ایسا نہیں کریں گے، اُس وقت تک عملی تربیت پوری طرح نہیں ہوگی اور کام ادھورا رہ جائے گا۔ اس بحث کو جانے دیجئے کہ تبلیغی جماعت کے بعض پہلو ایسے ہیں کہ جن پر بعض حضرات کو اشکالات ہیں، لیکن جب کسی کام کا جائزہ لیا جائے تو اس کے مجموعی فائدے کو پیش نظر رکھنا چاہئے، جہاں تک جزوی اشکالات واعتراضات کا تعلق ہے تو کون سا ادارہ یا جماعت ایسی ہے جو اس طرح کے جزوی اشکالات و اعتراضات سے محفوظ ہو۔

الحمدللہ، بحیثیت مجموعی اس جماعت سے امت کو بہت فائدہ پہنچا ہے، اور یہ

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سینے کی آگ ہے، اس کا اثر مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے، اسے غنیمت سمجھنا چاہئے اور اس سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔

آیت کا دوسرا جز ہے "الموعظة الحسنة" اس کے لئے بھی تربیت کی ضرورت ہے، اس کی تفصیل ابھی گزر چکی۔

جدال کے لئے ہتھیار ہونا ضروری ہے

تیسرا اجزاء ہے "جدال بالتی ھی احسن" یہ اس جگہ پر ہے جہاں دعوت کو مخاطب نے قبول نہیں کیا، بلکہ وہ بحث و مباحثہ پر اتر آیا، یعنی حکمت کا بھی اس پر کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا، موعظہ حسنہ کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اور بات "جدال" تک آہی گئی، تو شریعت نے یہ کہا کہ تمہاری طرف سے "جدال بالتی ہی احسن" ہونا چاہئے، اور جدال کے لئے ضروری ہے کہ آپ کے پاس اس کے مناسب ہتھیار یعنی علمی دلائل موجود ہوں، اس کے لئے اُس نصاب کی ضرورت ہے جس کا ذکر شروع میں کیا، لیکن ان دلائل کو پیش کرنے کا انداز، تربیت اور نگرانی چاہتا ہے، یہ بھی تربیت کا حصہ ہے کہ اگر آپ کا مخاطب زیادہ مخالف و مخاصم نہ ہو تو اپنی دلیل کو اس کے سامنے حسن اسلوب سے پیش کرنا چاہئے، آپ سے علمی مقالات لکھوانا اور درس گاہ میں مختلف موضوعات پر لیکچر دلوانا اسی "جدال التی ہی احسن" کی عملی تربیت کا ایک حصہ ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ جن لوگوں نے اس میدان میں کام کیا ہے، اس کے حالات کا مطالعہ کیا جائے۔

شعبے سے رابطے میں رہیں

جو حضرات اس سال تکمیل کر رہے ہیں، ان سے میری گزارش یہ ہے کہ چونکہ اس شعبے کا مقصد صرف نصاب پڑھوانا نہیں ہے، بلکہ ہماری خواہش یہ ہے کہ یہ شعبہ رفتہ رفتہ ایک عملی تحریک کی شکل اختیار کر جائے، اس لئے فارغ ہونے والے طلبہ اس شعبہ سے رابطہ میں رہیں، ہوسکتا ہے کہ ہم کوئی ایسی صورت تجویز کریں کہ اس شعبے کے قدیم فضلاء سے پیہم رابطے کی صورت قائم ہو، اُن سے مشورہ کرنے یا رہنمائی لینے کا سلسلہ جاری رہے، لہٰذا جو جہاں رہے وہ اپنے رابطے نمبر اور مکمل پتہ شعبے میں درج کرواکر جائے۔

اس کے کئی فائدے ہوں گے، ایک فائدہ یہ ہوگا کہ جب کوئی نئی بات سامنے آئے گی تو آپ حضرات کے سامنے بھی آجائے گی، مشورہ بھی ہوتا رہے گا، دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ دارالعلوم میں مختلف اطراف سے فرمائشیں آتی رہتی ہیں کہ ان کے پاس ایسا مناسب شخص بھیجا جائے تو اس سلسلے میں بھی ہمارے لئے آسانی ہو جائے گی۔

جن طلبہ کا ابھی ایک سال باقی ہے، ان سے گزارش یہ ہے کہ جو کچھ ابھی عرض کیا ہے، اس کی روشنی میں اپنے نصاب میں خوب محنت کریں، اور تربیت کے لئے جو نظام مرتب کیا گیا ہے، اس میں بھی خوب حصہ لیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کے اندر دین کی دعوت کی صلاحیت پیدا فرمائے، اور آپ کو دین کی مقبول خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

سوالات وجوابات

مجلس کے آخرت میں بعض طلباء نے کچھ سوالات کیے جو ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں :

تبلیغی جماعت کے ہوتے ہوئے اس کام کی کیا ضرورت ہے؟

سوال : تخصص فی الافتاء والوں کے لئے کام کرنے کی ایک لائن متعین ہے، لیکن ہم سے یہ سوال ہوتا ہے کہ آپ کے کام کرنے کی کیا لائن ہے؟ اس بارے میں اگر ہمیں جامعہ سے خصوصی ہدایات اور رہنمائی فراہم کی جائے تو ہمارے لئے کام کرنے میں آسانی ہوگی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تبلیغی جماعت کے ہوتے ہوئے آپ کی کیا ضرورت ہے؟

جواب : پہلی بات تو یہ ہے کہ دعوت ایک ہمہ گیر مفہوم رکھتا ہے، تبلیغی جماعت کا کام بہت اچھا ہے، لیکن اس کا ایک محدود دائرہ ہے، مثلاً اس میں امر بالمعروف ہے، نہی عن المنکر براہ راست نہیں ہے، صرف مسلمانوں کو پیغام پہنچانا ہے، غیر مسلموں کو براہ راست دعوت دینا اس کا مقصد نہیں، اسی طرح جدید فکری گمراہیوں کی علمی تردید اور ازالہ اس کا براہ راست حصہ نہیں۔

یہ دعوت کے وہ گوشے ہیں کہ ان پر بھی کام کرنے کی ضرورت ہے، جن گوشوں میں کام کرنا تبلیغی جماعت کی حدود کار سے باہر ہے، لیکن وہاں کام کی

ضرورت موجود ہے، اس میں تحریر وتقریر کے ذریعہ کام کرنا آپ کا میدان ہے۔

(۱)..... معاشرے میں جو منکرات ہیں، ان کی نشاندہی کرنا اور تحریر وتقریر کے ذریعے انہیں مٹانے کی کوشش کرنا۔

(۲).....غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی حقانیت واضح کر کے انہیں اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دینا۔

(۳).....اس وقت خود مسلمانوں میں جو طرح طرح کی فکری گمراہیاں پھیلی ہوئی ہیں، ان کی مؤثر علمی تردید کرنا اور احقاق حق کرنا۔

ابھی تو ان کاموں کے کرنے کا طریقہ یہی ہوگا کہ آپ اپنے دوسرے کاموں جیسے تدریس، امامت وخطابت وغیرہ کے ساتھ ساتھ ان اہم امور پر خصوصی توجہ دیں گے، البتہ ہمارے ذہن میں یہ ہے کہ ہم مستقل دعوت ہی کا ایک شعبہ قائم کریں کہ اس میں ہم اپنے فضلاء کو لے کر ایک مستقل طور پر کام کریں۔

لہٰذا ''تبلیغی جماعت کے ہوتے ہوئے آپ کی کیا ضرورت ہے؟'' یہ سوال اس لئے درست نہیں کہ ہر ایک کا اپنا اپنا دائرہ کار ہے، اسے اس دائرے میں کام کرنا ہے۔

نومسلموں کے مسائل کا حل

سوال : جو غیر مسلم مسلمان ہو جاتے ہیں، ان کو بعض اوقات مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو اس سلسلے میں کیا ادارہ ہمارے ساتھ کچھ تعاون کرے گا؟

جواب : اس مقصد کے لئے کچھ ادارے باقاعدہ قائم ہیں، بعض ادارے

میرے علم میں ہیں، اگر کہیں ایسی ضرورت پیش آئے تو مجھ سے رجوع کیا جا سکتا ہے، انشاء اللہ ہم بھی تعاون کریں گے۔

غیر مسلموں میں کام کرنے کا طریقہ

آخر میں یہ عرض کر دوں کہ ہندوستان کے مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب نے وہاں ہندوؤں میں بہت کام کیا ہے، میرا وہاں جانا ہوا، تو وہاں میں نے دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک آدمی تھا جس نے لمبا کرتا پہنا ہوا تھا، اور پوری داڑھی رکھی ہوئی تھی، شلوار ٹخنوں سے اونچی تھی، مولانا نے یہ فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے بابری مسجد پر پہلی کدال چلائی تھی۔

ان کی ایک کتاب چھپ گئی ہے ''نسیم ہدایت کے جھونکے'' وہ مطالعہ کے قابل ہے۔

انہوں نے ہندوؤں کو دعوت دینے کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ ایک مختصر سا رسالہ لکھا ہے '' آپ کی امانت، آپ کے حوالے'' یعنی توحید ہمارے پاس پوری دنیا کے غیر مسلموں کی امانت ہے، ہم وہ امانت آپ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں، اس کتاب نے ماشاء اللہ بہت بڑا انقلاب برپا کیا ہے، اور وہاں بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا ہے، جس میں بڑے بڑے عہدوں والے غیر مسلم بھی شامل ہیں، اب انہوں نے پوری ایک جماعت تیار کر لی ہے جو ان کے ساتھ اس عظیم کام میں لگی ہوئی ہے۔

افتاء کی تربیت کی اجازت

سوال : عوام الناس کا زیادہ رابطہ ان علماء سے ہوتا ہے، جن سے وہ مسائل دریافت کرتے ہیں، یعنی مفتی حضرات، اس لئے اگر ہمیں بھی تمرین افتاء کی اجازت مل جائے تو ہمارے لئے عوام سے رابطہ میں آسانی ہوگی۔

جواب : فتویٰ نویسی ایک مستقل کام ہے، دو چار مہینے، بلکہ ایک سال کا کام بھی نہیں، البتہ ہم نے آپ سے فقہی موضوعات پر مقالے لکھوائے ہیں، جدید فقہی مسائل درساً پڑھائے ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو اس فن سے مناسبت رہے۔

دیکھئے! ہر شعبے کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں، تخصص فی الافتاء کے اپنے تقاضے ہیں، اور تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے اپنے تقاضے ہیں، آپ کی توجہ اپنے تقاضوں کی تکمیل پر مرکوز ہونی چاہئے، البتہ افتاء کے ساتھ مناسبت بھی فی الجملہ آپ کی ضرورت ہے، اس کے لئے وہ اقدام کیا گیا ہے، جو اوپر ذکر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات سے دین کی اشاعت اور تبلیغ کا کام لے، اور اس کے مواقع مہیا فرمائے، اور اس کے لئے آپ کی محنت کو قبول فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بیت اللہ کی تعمیر

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولوی طیب منظور

میمن اسلامک پبلشرز

لیاقت آباد نمبر ا۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد خاتم النبیین، آزاد کشمیر

تاریخ خطاب : ۱۴/اپریل ۲۰۱۱

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم الله الرحمن الرحیم

بیت اللہ کی تعمیر

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا

نائب رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ۱۴/اپریل ۲۰۱۱ء بروز جمعرات آزاد کشمیر کی معروف علمی شخصیت اور جامعہ دارالعلوم چھتر مظفرآباد کے مہتمم جناب مولانا قاضی محمود الحسن اشرف صاحب زید مجدہم کی دعوت پر جامع مسجد خاتم النبیین کی تعمیر نو کی تقریب سے خطاب فرمایا، سامعین میں سپریم کورٹ آف آزاد کشمیر کے چیف جسٹس جناب خواجہ شہاد احمد، سینئر جج جناب محمد اعظم چودھری کے علاوہ آزاد کشمیر کے مقتدر حضرات، نامور علماء اور عوام الناس کی بڑی تعداد موجود تھی، مولانا محمد طیب منظور صاحب نے اس بیان کو قلم بند فرمایا، اور مولانا قاضی محمود الحسن صاحب مدظلہم نے اسکی تصحیح اور تنقیح فرمائی۔ افادۂ عام کیلئے حضرت والا مدظلہم کا یہ خطاب ہدیۂ قارئین ہے۔۔ (میمن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ

الْبَيْتِ وَاسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۞ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۞ (البقرة: ١٢٧ تا ١٣٢) اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰاهِدِيْنَ وَ الشّٰاكِرِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

تمہید

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، یہ میرے لئے بڑی سعادت اور خوش نصیبی کا موقع ہے کہ الحمد للہ آج اس مبارک دینی درس گاہ میں نہ صرف حاضری کا موقع ملا، بلکہ یہاں آزاد کشمیر کے علماء کرام سے اور معزز بھائیوں سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا، جیسا کہ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اس وقت میرا اس خطے میں آنا ایک نجی اور صحت کی ضرورت کے تحت تھا، لیکن آنے سے پہلے حضرت مولانا محمود الحسن صاحب

دامت برکاتہم کو ٹیلی فون کر کے یہ عرض کیا کہ میرا یہاں آنے کا ارادہ ہے، اور اگر چہ کچھ تقریبات وغیرہ کا موقع نہیں ہے، لیکن یہ ممکن نہیں کہ یہاں حاضری ہو، اور آپ حضرات سے ملاقات نہ ہو، اور اس مبارک ادارے میں حاضری کا شرف حاصل نہ ہو، حضرت مولانا کا میں شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بہت ہی محبت اور عنایت کے ساتھ اس مبارک اجتماع کا اہتمام فرمایا، اور عالی جناب چیف جسٹس آف سپریم کورٹ آزاد کشمیر کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے بھی اپنے اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر یہاں تشریف لانے کی زحمت گوارہ فرمائی اور مجھے ملاقات کا موقع دیا، اللہ تبارک و تعالیٰ ان تمام حضرات کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ آمین

مسجد کی تعمیر نو کا افتتاح

معلوم ہوا کہ الحمدللہ آج یہاں دارالعلوم اور اس کی مسجد کی تعمیر نو کا افتتاح کیا جا رہا ہے، حضرت مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ کچھ مساجد کے متعلق، اور ساتھ ہی بہت نازک بات یہ فرمادی کہ مساجد کے ساتھ عدل و انصاف کا جو تعلق رہا ہے، اس کے بارے میں کچھ عرض کروں، تو مجھے یاد آیا کہ اس روئے زمین پر جس مسجد کا ذکر قرآن کریم نے اس آیت میں فرمایا "اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ" (ال عمران: ۹۶) اسی حوالے سے چند گزارشات پیش کروں گا، جس کا پہلا مخاطب میں خود ہوں، اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے حاصل ہونے والے سبق کو ہمیں اپنی زندگی میں رچانے اور بسانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی محبوبیت

قرآن کریم نے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے تعمیر کعبہ کا ذکر ان آیتوں میں فرمایا جو میں نے اپنے خطبے میں پڑھی ہیں، اور عجیب انداز میں فرمایا، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا ذکر یوں تو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ہے، اور مختلف سیاق میں ہے، لیکن اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی محبوبیت کا کچھ اندازہ اس بات سے کیجئے کہ پارۂ الم کے ان آخری دو رکوعوں میں دس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کسی انسان کا ایک مرتبہ بھی نام لے تو اس کے لئے کتنی بڑی سعادت ہے۔

قرآن کریم میں ایک صحابی کا نام

ہمارے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں صرف ایک صحابی ہیں جن کا نام صراحت کے ساتھ قرآن کریم میں آیا ہے، اور وہ ہیں حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا'' (الاحزاب: ۳۷) تو ان کی فضیلت اور ان کی سعادت کے لئے یہ بات اتنی عظیم الشان تھی کہ یہ بات ان کے مناقب میں بیان کی جاتی ہے، تنہا یہ صحابی ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں لیا، اس کے اسباب مختلف ہیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام میں اعلیٰ ترین مقام رکھتے ہیں، ان کی فضیلت بلانزاع تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر ثابت ہے، لیکن ان

کا بھی نام نہیں لیا، اشارہ کئی جگہ ہے، اور اشارہ بھی پیارے انداز میں ہے، ایک جگہ فرمایا: ''ثَانِيَ اثْنَيْنِ'' (التوبہ: ٤٠) ''دو میں کا دوسرا'' یہاں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لینے کی ضرورت نہیں سمجھی، اور سورۃ واللیل کی آیات ''فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى ۞ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى'' (اللیل: ٥،٦) میں ان کے اوصاف بیان فرمادیے، اور ان کی طرف اشارہ فرمادیا، لیکن نام نہیں لیا۔

ہر گلے را رنگ د بوئے دیگر است

ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ عجیب ہے، لیکن حضرت زید بن حارثہ کا قرآن کریم میں نام لیا تو ان کی سعادت کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ سبحان اللہ

بیت اللہ کی تعمیر کا عظیم کارنامہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہاں دو رکوعوں میں دس مرتبہ نام لے کر اللہ تعالیٰ نے ان کے عظیم ترین کارنامے کا ذکر فرمایا، چنانچہ فرمایا:

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ

اردو میں اگر اس کا ترجمہ کیا جائے تو پوری کیفیت کو صحیح طرح بیان نہیں کیا جاسکتا، لیکن کچھ تاویل اس طرح کی جاسکتی ہے'' کیا وقت تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادوں کو اُٹھا رہے تھے'' یعنی کتنا عظیم وقت تھا، کیسا یادگار وقت تھا، کتنا سعادت والا وقت تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادوں کو اُٹھا رہے تھے، ''وَإِسْمٰعِيلُ'' اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے۔

ایک ادب

ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ جب کوئی کام ایک بڑا اور ایک چھوٹا مل کر کر رہے ہوں، جیسے باپ اور بیٹا، استاذ اور شاگرد، تو ادب یہ ہے کہ اس کام کو اصلاً بڑے کی طرف منسوب کیا جائے، اور چھوٹے کا ذکر بعد میں کیا جائے، چنانچہ تعمیر کعبہ میں باپ اور بیٹا دونوں شریک تھے، لیکن یہاں قرآن پاک میں نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے، اور اسماعیل علیہ السلام بھی ساتھ تھے، نسبت بڑے کی طرف کی گئی ہے، اور چھوٹے کا ذکر عطف کے طور پر فرمایا گیا ہے، یہی ادب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار فرمایا، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کام کر رہے تھے، اور میں بھی ان کے ساتھ تھا، یہ نہیں فرمایا کہ میں اور صدیق اکبرؓ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام کر رہے تھے، بلکہ فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کام کر رہے تھے، اور میں بھی ان کے ساتھ تھا، یہ ادب قرآن کریم نے اور حدیث نے سکھایا، آج اگر کوئی چھوٹا بڑے کے ساتھ کسی کام میں لگ جائے، یا کسی کام میں شریک ہو جائے تو چھوٹا یوں کہتا ہے کہ ہم نے یہ کام کیا، اپنا ذکر پہلے کرتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے یہ نہیں سکھایا، بلکہ فرمایا کہ کیا وقت تھا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر اس طرح کر رہے تھے کہ اس کی بنیادوں کو اُٹھا رہے تھے، حضرت اسماعیل ان کے ساتھ تھے۔

بیت اللہ کی بنیاد موجود تھی

بنیادوں کو اُٹھانے سے اشارہ اس بات کیطرف ہے کہ پہلے سے بنیاد موجود تھی، بیت اللہ کی تعمیر پہلے ملائکہ نے کی، پھر آدم علیہ السلام نے کی، اور نہ جانے کتنی مرتبہ تعمیر ہو چکی تھی، بنیادیں موجود تھیں، مگر دبی ہوئی تھیں، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اوپر اُٹھا کر بیت اللہ کی تعمیر فرمائی ''وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ '' آپ اندازہ کیجئے کہ اتنا عظیم الشان کارنامہ جسکو قرآن اس انداز سے بیان کر رہا ہے کہ کیا وقت تھا، جس میں اتنا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جارہا تھا، کون انجام دے رہا تھا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں یہ عظیم کارنامہ انجام دے رہے تھے، اس دنیا میں کسی انسان کے جتنے کام ہوتے ہیں ان میں شاید اس سے بڑا اور کوئی کارنامہ نہ ہو، اللہ کے گھر کی تعمیر کا کام ان کو سونپا گیا، اتنا عظیم الشان کارنامہ انجام دے رہے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی۔

لیکن اس عظیم کارنامے پر کوئی غرور نہیں تھا

لیکن اس کارنامے پر کائی فخر اور غرور نہیں تھا، اس پر کوئی گردن اکڑی ہوئی نہیں تھی، اس پر سینہ تنا ہوا نہیں تھا کہ میں نے یہ کارنامہ انجام دیا، زبان پر الفاظ کیا تھے؟

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

اتنا عظیم الشان کارنامہ اور پھر بھی تواضع، انکساری، عبدیت، فنائیت کا یہ

مقام کہ فرما رہے ہیں کہ یا اللہ! یہ اپنے گھر کی تعمیر کی خدمت آپ نے ہم سے لی، اے اللہ! اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول بھی فرما۔ سبق یہ دیا کہ کوئی بڑے سے بڑا کارنامہ بھی انجام دے لو، بڑی سے بڑی خدمت بھی انجام دے لو، تو ذہن میں یہ بات ضرور رکھو کہ درحقیقت اس کی توفیق اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہے، بندے کی طاقت نہیں تھی کہ وہ خود اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیتا، جب تک اللہ کی توفیق شامل حال نہ ہو۔ لہٰذا شکر اُسی کا ادا کرو، اور اسی سے مانگو کہ یا اللہ! میرے اس عمل کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمالے۔ تو سبق ہمیں یہ دیا کہ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے کوئی خدمت انجام دینے کی توفیق مل جائے تو اس کو تکبر و غرور اور ناز کا بہانہ نہ بناؤ، بلکہ اس توفیق عمل پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرو، ہماری گردن اللہ کے سامنے جھکی ہونی چاہیے، ہماری زبان پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی فریاد ہونی چاہیے کہ اے اللہ! اس کو قبول فرمالے۔

فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کی عاجزی

آپ دیکھئے! جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو یہ کتنا بڑا کارنامہ تھا، وہ قوم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکالیف پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، آپ ﷺ کے خون کی پیاسی بنی رہی، جس نے آپ ﷺ کو گھر سے نکالا، جس نے آپ ﷺ کے خلاف قتل کی سازشیں کیں، اس قوم پر فتح حاصل ہو رہی ہے، فاتح بن کر آپ ﷺ اس بستی میں داخل ہو رہے ہیں، اگر کوئی اور ہوتا تو سینہ تنا ہوا ہوتا، اس کی گردن اکڑی ہوئی ہوتی، اور وہ فاتح بن کر غرور کے عالم میں وہاں پر خون کی ندیاں بہادیتا،

لیکن سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں، صحابیؓ فرما رہے ہیں کہ وہ منظر مجھے آج بھی اس طرح یاد ہے کہ آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہیں، اور آپ ﷺ کی گردن جھکی ہوئی ہے، اور ٹھوڑی مبارک سینے سے لگی ہوئی ہے، اور زبان مبارک پر یہ آیت ہے "اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا (الفتح: ۱) "یعنی کہ یہ جو فتح حاصل ہوئی ہے یہ میری قوت بازو سے نہیں، یہ اللہ جل جلالہ کی توفیق سے حاصل ہوئی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا "اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا" اور اس پر آپ ﷺ کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق مل رہا ہے کہ اگر بڑے سے بڑا کارنامہ، بڑی سے بڑی خدمت انجام دینے کی توفیق مل جائے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرو، اور اس پر عاجزی کا اظہار کرو، اللہ سے قبولیت کی دعا مانگو۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

عبادتوں کے طریقے بھی سکھا دیجئے

آگے فرمایا "اَرِنَا مَنَاسِکَنَا" اے اللہ! یہ بیت اللہ تو تعمیر کر دیا، لیکن اب ہمیں اس بیت اللہ کے حقوق ادا کرنے کے لئے جو عبادتیں کرنی ہیں، ان عبادتوں کے طریقے بھی سکھا دے "اَرِنَا مَنَاسِکَنَا" اے اللہ! ہمیں تعلیم عطا فرمائیے کہ ہم اس کا حق بھی ادا کریں ورنہ یہ نہ ہو کہ بقول شاعر:

مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

بیت اللہ کی تعمیر تو کر دی، لیکن اے اللہ! ہمیں اس میں عبادت کرنے کی

توفیق بھی عطا فرمادے، آگے فرمایا ''وَتُبْ عَلَيْنَا'' یعنی جتنی بھی عبادتیں کرلیں، اللہ کے سامنے اپنا سر نیاز جھکادیں، لیکن اے اللہ! اس میں غلطیاں تو رہیں گی، اس میں کوتاہیاں تو رہیں گی، اور ان کوتاہیوں کی وجہ سے پہلے ہی ہم آپ سے کہتے ہیں کہ ''وَتُبْ عَلَيْنَا'' اے اللہ! ہمیں معاف کردیجئے۔

تعمیر بیت اللہ کے وقت توبہ کی ضرورت کیوں؟

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی ہے، اتنا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جارہا ہے، کیا یہ کوئی گناہ تھا کہ جس سے توبہ مانگی جائے؟ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ ہم اس بیت اللہ کے ذریعہ اے اللہ! آپ کی عبادت انجام دیں گے، یا اس بیت اللہ کا کوئی حق ادا کرنے کی کوشش کریں گے، تو ہم سے حق پوری طرح ادا نہیں ہو سکے گا، لہٰذا جو غلطیاں ہوں ان کو اپنے فضل و کرم سے معاف کردیجئے گا ''اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ'' آپ بہت توبہ قبول کرنے والے ہیں، آپ رحم کرنے والے ہیں۔ اس سے یہ سبق ملا کہ جو کوئی بھی عبادت یا کوئی دین کا کام اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرنے کی توفیق ہوجائے تو اس کے خاتمے پر اور اس کی تکمیل پر اللہ سے معافی مانگو، کیا معافی مانگو؟ کہ یا اللہ اس عبادت کا جو حق تھا وہ مجھ سے صحیح ادا نہیں ہوسکا، اے اللہ اپنی رحمت اور اپنی مغفرت سے اس کی تلافی فرمادے۔

عبادت میں کوتاہی سے استغفار

قرآن کریم نے نیک بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (الذّٰریٰت: ۱۷۔۱۸)

اللہ کے نیک بندے رات میں کم سوتے ہیں، یعنی اللہ کی عبادت کے لئے ساری رات اللہ کی بارگاہ میں کھڑے رہتے ہیں، لیکن جب سحری کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت استغفار کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ: یہ کیا بات ہے کہ ساری رات عبادت کرتے رہنے اور صبح کو استغفار کررہے ہیں؟ یہ کوئی گناہ تھا جس پر وہ استغفار کر رہے تھے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ استغفار اس بات پر کررہے تھے کہ رات کی عبادت میں جو کوئی کوتاہی رہ گئی ہو، اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے۔

نماز کے بعد تین مرتبہ استغفار

چنانچہ آپ نے احادیث میں پڑھا ہوگا، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ ہر نماز کے سلام پھیرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ فرماتے تھے ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ۝ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ۝ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ '' نماز کے بعد یہ تین مرتبہ کیوں کہا جاتا ہے؟ یہ اس لئے کہ اے اللہ! نماز کا جو حق تھا، وہ میں ادا نہیں کرسکا، لہٰذا اپنی رحمت سے معاف فرمادیجئے، اور ہم جیسے نااہلوں کے لئے بہت بڑی عظیم تسلی کا سامان ہے، شاید ہی کوئی مسلمان ہوگا جس کے دل میں کبھی نہ کبھی یہ خیال نہ آتا ہو کہ ہم جو نماز پڑھتے ہیں اس سے نماز کا حق ادا نہیں ہوتا، کیونکہ دل کہیں ہے دماغ کہیں ہے، کبھی کھانے کی طرف دل جارہا ہے، کبھی کمانے کی طرف دل جارہا

ہے، دماغ کہیں اور لگا ہوا ہے، تو ہماری نمازیں کیا ہیں؟ یہ تو ٹکریں مارنا ہے، یہ تو نماز نہیں، اس کا ایک حل یہ بتادیا کہ اپنی طرف سے خشوع حاصل کرنے کی کوشش تو کرلو، نماز کے خشوع حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو الفاظ آدمی زبان سے نکال رہا ہے، دھیان اس کی طرف کرے، جب ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' کہا تو معلوم ہونا چاہیے کہ میں ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' کہہ رہا ہوں، دھیان اس طرف رہے، لیکن غیر اختیاری طور پر خیال ادھر ادھر چلا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا راستہ یہ بتایا کہ نماز کے آخر میں کہو ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ'' کہ یا اللہ یہ جو کوتاہیاں ہوئیں، اپنی رحمت سے ان کو معاف فرمادے، اور میری مغفرت فرمادے۔

اس عبادت پر شکر ادا کرو

یہ دو کام ہیں جو کسی بھی عبادت اور دینی خدمت وغیرہ کے انجام دینے کے بعد کرنے سے انشاء اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ عبادت کے فوائد دنیا وآخرت میں عطا فرمائیں گے، نمبر ایک اس عبادت کے انجام پانے پر اللہ کا شکر ادا کرو، میرے شیخ عارفی رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ ہماری نمازیں کیا ہیں؟ یہ تو ٹکریں مارنا ہے، فرمایا کہ یہ ناقدری مت کیا کرو، ارے اللہ کی اس توفیق پر شکر ادا کرو، جس نے اپنی بارگاہ میں پیشانی ٹیکنے کی توفیق دیدی، پہلے اس پر شکر ادا کرو کہ کتنے ہیں جو اس سے بھی محروم ہیں۔

قبول ہو کہ نہ ہو، پھر بھی ایک نعمت ہے

وہ سجدہ جس کو ترے آستاں سے نسبت ہے

بارگاہ الٰہی میں پیشانی ٹک گئی یہ ایک بڑی نعمت ہے، اس پر شکر ادا کرو، اس کی ناقدری نہ کرو، اس کی ناشکری مت کرو، یہ مت کہو کہ میں ٹکریں مارتا ہوں۔

ایک سبق آموز واقعہ

ایک مرتبہ ایک صاحب میرے حضرت شیخ عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے، عرض کرنے لگے کہ حضرت ہمارے سجدے کیا ہیں؟ ہمارے رکوع کیا ہیں؟ ہماری نمازیں کیا ہیں؟ یہ تو ٹکریں مارنا ہے، سجدی کرتے ہیں تو اس وقت دل میں برے برے خیالات آرہے ہیں، یہ کیا سجدہ ہوا ہمارا؟ تو حضرت نے اس سے فرمایا کہ بھائی تمہارا سجدہ بہت گندہ ہے، کہا: جی حضرت! ہمارا سجدہ بہت گندہ ہے، فرمایا کہ اچھا یہ گندہ سجدہ ہے تو یہ اللہ میاں کو کرنے کے لائق ہے ہی نہیں (جیسا کہ تم کہتے ہو کہ اللہ کو کرنے کے لائق نہیں) تو ایسا کرو کہ یہ گندہ سجدہ مجھے کرو، میں گندہ آدمی ہوں، تو گندہ سجدہ گندے آدمی کو کردو، کہنے لگا حضرت یہ کیا بات آپ نے کہہ دی؟ پوچھا کیوں بھائی، تم کہہ رہے ہو کہ گندہ سجدہ ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو نہیں کیا جاسکتا، تو پھر مجھ جیسے گندے آدمی کو کرو، کہا نہیں حضرت یہ نہیں ہوسکتا، تو فرمایا کہ اگر یہ نہیں ہوسکتا تو مطلب یہ ہوا کہ یہ پیشانی اس کی بارگاہ کے علاوہ کہیں اور ٹک نہیں سکتی، یہ پیشانی وہیں ٹکے گی، اس لئے شکر ادا کرو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہاں پیشانی ٹیکنے کی توفیق عطا فرمادی، اور یہ جو غلطیوں کی بات کر رہے ہو، گندے سجدے ہونے کی تو اس کا علاج یہ ہے کہ استغفار کرو، کہو "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" آپ نے

توفیق دی ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ '' کہ مجھ سے کوتاہی ہوئی، شکر ادا کرو اور استغفار کرو۔ یہ تعلیم دی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے۔

ایک رسول بھی بھیجئے

پھر آگے فرمایا ''رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ '' کہ اے اللہ! میں نے آپ کی توفیق سے بیت اللہ تو تعمیر کر دیا، یہ عبادت گاہ بنا دی، لیکن اس عبادت گاہ کا فائدہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا، جب تک کہ آپ کوئی ایسی شخصیت پیدا نہ فرمائیں، جو لوگوں کو اس بیت اللہ کی طرف راغب کرے، اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اور ان سے گندگیوں کو دور کرے ''رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا '' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی ہے، آپ خود بھی پیغمبر ہیں، لیکن دعا یہ فرما رہے ہیں کہ بیت اللہ کا فائدہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوگا، جب تک آپ ان ہی میں سے کسی کو رسول بنا کر نہ بھیجیں، ایک رسول بھیجئے، جو ان ہی میں سے ہو، ان میں سے کیوں ہو؟ کیونکہ فرشتہ اگر بھیج دیں گے تو کہنے والے کہیں گے کہ اس کو تو نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس لگتی ہے، یہ ہماری نفسیات سے واقف نہیں، تو آپ ان ہی میں سے کوئی رسول بھیجئے، جس کی زبان وہی ہو، جس کی بشری خواہشات وہی ہوں، جس کے دل میں وہی جذبات پیدا ہوں، اور جو ان کی ضروریات سے واقف ہوں اور جو ان کی نفسیات کو سمجھتا ہو۔

تلاوت قرآن خود مقصود ہے

آگے فرمایا: ''يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ '' وہ رسول پہلا کام یہ کرے کہ آپ

کی آیتوں کی تلاوت کرے، اور ''وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ'' بعد میں آرہا ہے یعنی مطلب سکھائے، معنی سمجھائے، لیکن ''یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ'' پہلے فرمایا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو آپ کی کتاب میں آیتیں ہیں، ان کی تلاوت بذات خود مقصود ہے، تعلیم یعنی معنی سمجھنا وہ تو ہے ہی مقصود، اور اس پر عمل کرنا تو سعادت ہے ہی، لیکن اس کی محض زبان سے تلاوت کر لینا، یہ بھی بذات خود مقصود ہے، یہ جو آج کل لوگ حفظ قرآن کی تعلیم کے بارے میں کہتے ہیں کہ تم بچے کو طوطے مینا کی طرح قرآن کریم رٹا دیتے ہو، ان کو معنی نہیں آتے، ان کو مطلب سمجھاتے نہیں ہو- معاذ اللہ- اس کا کیا فائدہ؟ لیکن قرآن کریم کہہ رہا ہے کہ ''یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ'' کہ آپ کی آیات ان پر تلاوت کریں۔

قرآن کریم خود سے نہیں سمجھا جا سکتا

آگے فرمایا: ''وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ'' یعنی ان کو کتاب کا مطلب اور معنی سمجھایئے، اور میں آپ کو دعوی کے ساتھ کہتا ہوں کہ جس کو قرآن کریم کی تلاوت صحیح نہیں آتی، وہ صرف ترجموں کی مدد سے کبھی قرآن کریم کے صحیح معنی اور تفسیر سمجھ ہی نہیں سکتا، یہ جو آج کل ذہن میں ہے کہ ترجموں کی مدد سے قرآن مجید کا معنی سمجھ لیں گے، مولویوں کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، جو ہماری سمجھ میں آئے گا اس کے ذریعہ تفسیر کر لیں گے، قرآن اس کی تردید کر رہا ہے، ارے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ترجمے کی ضرورت تھی؟ حالانکہ صحابہ کرامؓ عربی زبان کے ماہر لوگ تھے، ان کو ترجمے کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن قرآن کریم کہہ

رہا ہے ''وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ'' کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کتاب کی تعلیم دیں، معلوم ہوا کہ کتاب کی تعلیم ترجمے کے علاوہ ایک اور چیز ہے، جب تک رسول کی تعلیم ساتھ ساتھ نہیں ہوگی، محض ترجمے سے قرآن کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا۔ آجکل لوگوں کے ذہن میں یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ بھئی قرآن تو ساری دنیا کے لئے ہے، بلا وجہ قرآن پر علماء کی اجارہ داری قائم ہوگئی ہے، ہم خود ترجمے سے اس کا مطلب نکال سکتے ہیں، اور خود اجتہاد کر سکتے ہیں، اور اس سے ہم خود یہ نکال سکتے ہیں کہ قرآن کریم نے کس بات کا حکم دیا ہے، اگر یہ بات درست ہوتی تو پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

انسان کی فطرت

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت یہ بنائی ہے کہ تنہا کتاب اس کی تربیت کے لئے کافی نہیں ہوسکتی، جب تک کہ کوئی مربی اور کوئی معلم اس کے ساتھ موجود نہ ہو۔ میں کہا کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی علم و فن بغیر استاذ، بغیر مربی کے سمجھ میں نہیں آسکتا، اور تو اور کھانا پکانے کی کتابیں چھپی ہوتی ہیں، جنہیں کک بکس کہا جاتا ہے، ان میں لکھا ہوتا ہے کہ پلاؤ کس طرح بنتا ہے؟ قورمہ کس طرح بنتا ہے؟ کباب کس طرح بنتے ہیں؟ اب اگر ایک آدمی وہ کتاب ساتھ رکھے اور اس کو دیکھ دیکھ کر بریانی بنانے کی کوشش کرے، تو پتہ نہیں کیا ملغوبہ تیار کرے گا، جب تک کوئی سکھانے والا موجود نہ ہو۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کوئی کتاب بغیر پیغمبر کے نہیں بھیجی، ایسی

مثالیں تو موجود ہیں کہ پیغمبر آئے، مگر نئی کتابیں نہیں آئیں، ایسی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ کتاب آئی ہو اور پیغمبر نہ آئے ہوں، کیونکہ کتاب کو پڑھنا اور اس پر عمل کرنے کا صحیح طریقہ بتلانا، یہ بغیر پیغمبر کے نہیں ہو سکتا۔

حکمت کی تعلیم بھی دیں گے

آگے فرمایا ''وَالْحِکْمَةَ'' کتاب کی بھی تعلیم دیں گے، اور حکمت کی بھی تعلیم دیں گے، حکمت کیا ہے؟ حکمت کہتے ہیں دانائی کی بات کو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے دانائی کی بات بھی سکھانے کے لئے فرمایا کہ یہ بات بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سکھائیں گے، کیا معنی کہ عقل اور دانائی تم صرف اپنے ذہن سے پیدا نہیں کر سکتے، حکمت اور دانائی وہ ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی، اگر تم اپنی عقل سے کہنے لگو کہ فلاں چیز حلال ہونی چاہیے، فلاں حرام ہونی چاہیے، اس کو اس لئے حلال قرار دیا جا رہا ہے کہ میری عقل میں آتی ہے، اور اس کو اس لئے حرام قرار دیا جا رہا ہے کہ میری عقل میں نہیں آتی، یاد رکھئے! جو عقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے معارض ہو، وہ عقل آگ میں جھونک دینے کے لائق ہے، عقل وہ ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلائی ''وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ'' کتاب بھی وہ سکھائیں گے اور حکمت بھی وہ سکھائیں گے، ہاں جہاں انہوں نے کوئی بات نہیں فرمائی، تو بیشک تمہاری عقل کے لئے میدان بہت بڑا ہے، لیکن جہاں اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات فرما دی، تو عقل کی بات وہی ہے۔

ان کو پاک صاف کرلیں گے

آگے فرمایا''وَيُزَكِّيهِمْ''صرف اتنا کافی نہیں کہ کتاب پڑھادی، اس کا مطلب سمجھا دیا، اور دانائی کی باتیں بتادیں، نہیں نہیں، صرف اتنا کافی نہیں، بلکہ ''وَيُزَكِّيهِمْ''اوران کو پاک صاف بھی کرنا ضروری ہے، پاک صاف کرنے کے کیا معنی؟ کہ سب کچھ پڑھ لیا، یہ بھی پتہ چل گیا کہ کتاب کس طرح پڑھی جاتی ہے، یہ بھی پتہ چل گیا کہ اس کے معنی کیا ہیں؟ یہ بھی پتہ چل گیا کہ دانائی کی بات کیا ہے؟ ان سب باتوں کا کچھ علم حاصل ہوگیا، لیکن اس علم پر عمل کس طرح کریں گے؟ اور اس علم کو اپنی زندگی میں کس طرح رچائیں گے اور بسائیں گے؟ اس کے لئے ایک اور کام کی ضرورت ہے، اور وہ ہے''وَيُزَكِّيهِمْ''ان کو پاک صاف کرنا، یعنی ان کے دل میں جو خراب جذبات پیدا ہوں، ان کو دبائے اور جو اچھے جذبات پیدا ہوں، ان کو نکھارے اور یہ کام بغیر کسی مربّی کے اور بغیر اللہ والے کی صحبت کے نہیں ہوتا، کتابیں بھی پڑھ لیں، علم بھی حاصل کرلیا، تحقیقات بھی کرلیں، دانائی کی باتیں بھی سمجھ میں آگئیں۔

چلتا نہیں مگر دلِ ناداں پہ بس ابھی

لیکن یہ جو انسان کے سینے میں دل رکھا ہوا ہے، جسے نفس کہتے ہیں، یہ محض کتابیں پڑھ لینے سے قابو میں نہیں آتا، آج دیکھو انسان چاند ستاروں پر کمندیں ڈالے ہوئے، چاند ستاروں کو فتح کر رہا ہے، لیکن انسان ابھی تک اپنے دل کے

جذبات کو قابو نہیں کر سکا۔

تسخیر کر رہا ہوں میں ماہ و نجوم کو
چلتا نہیں مگر دلِ ناداں پہ بس ابھی

دل اگر غلط راستے پر جا رہا ہے تو اس کو کنٹرول کرنے کا میرے پاس کوئی راستہ نہیں، اگرچہ میں نے چاند ستاروں پر کمندیں ڈالی ہوئی ہیں۔ اقبال نے کہا:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک کو سحر کر نہ سکا

نفس کو قابو کرنے کا طریقہ

اپنے نفس پر میں قابو کیسے پاؤں؟ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ یہ غلط کام ہے، لیکن نفس پر قابو نہیں، میرا دل مانتا نہیں، دل اس طرف جا رہا ہے، اس کو کیسے قابو کروں، اس کو کیسے اپنے تصرف میں لاؤں؟ یہ بات بغیر تزکیہ نفس کے حاصل نہیں ہوتی، غالب نے کہا:

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت اُدھر نہیں آتی

تو طبیعت کو اُدھر کیسے کروں؟ طبیعت کو اس طرف کیسے لے جاؤں؟ اس کے لئے ضرورت ہے تزکیہ نفس کی، اور تزکیہ نفس بغیر صحبت کے حاصل نہیں ہوسکتا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ آپ اپنی صحبت کے ذریعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اخلاق کا تزکیہ کریں اور یہ کام صحبت کے ذریعہ انجام پایا، کیسے انجام پایا؟ اس طرح کہ صحبت کے نتیجے میں وہ مخلوق وجود میں آئی جس کی نظیریں آسمان اور زمین کی نگاہوں نے نہ پہلے دیکھیں، نہ بعد میں دیکھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب کیا تھا؟

یہ سارا واقعہ بیان کر کے آگے قرآن کریم فرماتا ہے کہ '' وَ مَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرٰهِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ '' یہ واقعہ ہم نے بیان کر دیا، اب تم اس واقعہ سے یہ سبق لو کہ ابراہیم علیہ السلام کے دین سے کوئی بھی اعراض نہیں کر سکتا، سوائے اس کے جو اپنی ذات سے ہی بے وقوف ہو، آگے قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کا خلاصہ بیان کیا کہ '' اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ '' کہ جب ان کے پروردگار نے ان سے کہا تھا کہ سر جھکا دو کا کیا معنی؟ کہ جو کام تمہیں کہا جائے، اپنی عقل کو بیچ میں لائے بغیر سر جھکا کر عمل کرلو، اور سر تسلیم خم کر دو، تو انہوں نے رب العالمین کے سامنے سر جھکا دیا، کیسے جھکایا؟ اس کا ذکر سورۂ صافات (آیت نمبر ۱۰۲، ۱۰۳) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیٹے کو ذبح کر دو، یہ حکم خواب کے ذریعہ آیا، جو عقل کے بالکل برخلاف تھا۔ اول تو کسی کو ناحق قتل کرنا، یہ جج صاحبان بیٹھے ہوئے ہیں کتنی بڑی غلطی ہے؟ اور مقتول بھی کون ہے؟ نابالغ بچہ ہے، نابالغ کا قتل شریعت نے کسی بھی حال میں جائز قرار نہیں دیا۔ جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب لشکر بھیجا کرتے تھے تو تعلیم دیتے تھے کہ '' لا

تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَلَا شَيْخًا ''کسی بچے کو قتل نہ کرنا، کسی عورت کو قتل نہ کرنا، کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا۔ ہر جہاد کے ہدایت نامے میں یہ بات شامل تھی کہ کسی بچے، بوڑھے یا عورت کو قتل کرنے کی اجازت نہیں۔

نئی تہذیب کا شاخسانہ

یہ تو نئی تہذیب نے ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں کہ جس میں بچے بھی مارے جا رہے ہیں، عورتیں بھی ماری جا رہی ہیں، بوڑھے بھی قتل ہو رہے ہیں، بیمار بھی مارے جا رہے ہیں، اور ہسپتالوں پر بمباری کی جا رہی ہے، یہ سب نئی تہذیب نے پیدا کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بچے، عورت یا بوڑھے کو نہ مارا ہے نہ مارنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو جو نابالغ ہے ذبح کر دو، اور بیٹا بھی کون؟ اپنا بیٹا! اس سے بڑا جرم اور کیا ہو سکتا ہے؟ آجکل کی عدالت میں یہ کیس آتا ہے کہ کسی شخص نے اگر اپنے بیٹے کو قتل کر دیا تو اس سے بڑا اور گھناؤنا جرم کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوال نہیں کیا کہ میں کیوں قتل کروں

لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پلٹ کر پوچھا تک نہیں کہ اللہ میاں میں کیوں قتل کروں اپنے چہیتے بیٹے کو؟ جس کو مرادوں سے مانگا، دعائیں مانگ کر حاصل کیا، اس کو کیوں قتل کروں؟ کیوں کا سوال نہیں کیا، البتہ بیٹے سے امتحان لینے کے لئے ضرور پوچھا کہ بیٹا میں نے ایسا

خواب دیکھا ہے، اور انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے "فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی" "تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹا بھی ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا بیٹا تھا، جس کے صلب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے تھے، جواب میں کہتا ہے کہ "یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْشَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ" "اس نے پلٹ کر نہیں پوچھا کہ مجھ سے کون سا گناہ سرزد ہوا، جس کی وجہ سے مجھے مارا جارہا ہے؟ بلکہ کہا کہ ابا جان: آپ کو جو حکم ہوا ہے کر گزریئے، اور میری فکر نہ کیجئے، آپ مجھے انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے، تب قرآن نے کہا: "فَلَمَّا اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ" "جب دونوں نے سر جھکادیا، سر جھکانے کے معنی یہ ہیں کہ جب پتہ چل جائے کہ اللہ کا حکم یہ ہے تو پھر چوں و چرا کی مجال نہیں۔ اور صرف خود ہی نہیں جھکایا، بلکہ اپنی اولاد کو بھی وصیت کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کی، اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی کی "یَا بَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ" "اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے یہ دین اسلام چن لیا ہے، اب دیکھو مرتے دم تک اللہ کے آگے سر جھکائے رکھنا۔ بہر حال! ان آیات میں بڑے عجیب انداز میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔

مسجد خاتم النبیین کا سنگ بنیاد

آج ماشاء اللہ اس جامع مسجد خاتم النبیین کی نئی تعمیر کا سنگ بنیاد ہے، اس میں بھی یہی صورتحال ہے کہ پہلے سے مسجد موجود تھی، اس کی بنیادیں قائم تھیں، اب

اس کی دوبارہ بنیاد اُٹھائی جا رہی ہے "وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ"
پر عمل ہو رہا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو بھی ایسی مسجد بنادے
جو نمازیوں سے آباد ہو، جو سبق ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے عمل سے دیا، اللہ تعالیٰ اس
پر عمل کی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، اور جس طرح انہوں نے فرمایا تھا کہ یا اللہ
مسجد کی محض تعمیر کافی نہیں ہے، تو اس کو اپنے فضل وکرم سے ذکر وفکر سے آباد
فرمادے، اور جو اس میں غلطیاں ہوں، وہ سب اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔ آمین

اختتامی دعا

میں تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں حضرت مولانا قاضی محمود الحسن اشرف
صاحب اور ان کے رفقاء کو جنہوں نے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور یہ مسجد اور مدرسہ
ساتھ ساتھ چل رہے ہیں "وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ" پر عمل کرتے ہوئے
دونوں کام ایک ساتھ ہو رہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ یہ دونوں کام چلاتا رہے، اور
مسجد و مدرسہ میں اپنی رحمتیں اور برکتیں عطا فرمائے، اور بہت زیادہ برکات سے
نوازے، اور یہاں سے دین کے سچے خادم پیدا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید
(سورۃ ق: ۱۸)

یعنی زبان سے جو لفظ نکل رہا ہے۔
وہ تمہارے نامہ اعمال میں ریکارڈ ہو رہا ہے۔

اپنی غلطی کا اعتراف کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مفتی محمد عبد اللہ میمن

استاد جامعہ دار العلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز

لیاقت آباد نمبر ۱۔ کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامعہ دارالعلوم کراچی۔

اصلاحی خطبات : جلد نمبر 19

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم الله الرحمن الرحيم

اپنی غلطی کا اعتراف کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ ! عَنْ علی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم فرقہ و فاطمۃ بنت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فقال: اَلَا تُصَلُّوْنَ؟ فَقُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! اِنَّمَا اَنْفُسُنَا عِنْدَ اللّٰہِ،فَاِذَا شَاءَ اَنْ یَّبْعَثَنَا بَعَثَنَا،فَانْطَلَقَ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، وَلَمْ یَرْجِعْ اِلَیْہِ شَیْئًا، ثُمَّ سَمِعْتُ وَ ھُوَ مُدْبِرٌ یَضْرِبُ فَخِذَہٗ یَقُوْلُ، وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْئٍ جَدَلًا

(الکھف : ٥٤)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

ایک رات آخری شب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، ہمارے گھر سے مراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر، جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ساتھ رہتی تھیں، اور یہ گھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی پشت پر مسجد نبوی کے ساتھ بنا ہوا تھا۔ اس وقت حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں اپنے گھر میں سو رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاکران کو بیدار کیا، اور فرمایا: اَلَا تُصَلُّوْنَ ؟ کیا تم نماز نہیں پڑھتے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بیدار ہوگیا، اور میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہماری روحیں تو اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو ہمیں بیدار کر دیتے ہیں، اور جب نہیں چاہتے تو بیدار نہیں فرماتے، جس کے نتیجے میں ہم سوتے رہ جاتے ہیں۔ یہ جواب سن کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم منہ موڑ کر واپس تشریف لے جانے لگے، اور اس طرح جارہے تھے کہ آپ اپنی ران مبارک پر ہاتھ مار رہے تھے، اور قرآن کریم کی آیت پڑھتے جارہے تھے کہ "وَكَانَ الْإِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا" یعنی انسان بڑا جھگڑالو ہے، اور بہت بحث ومباحثہ کرنے والا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بات کہی، اس پر آپ نے نکیر فرمائی کہ انسان اپنی غلطی کی تاویل کرنے کے لئے بڑی دلیلیں پیش کرتا ہے۔

بیوی بچوں کو نماز کے لئے بیدار کرنا چاہیے

اس حدیث کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بتانے کے لئے یہ واقعہ سنا رہے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا یہ جواب پسند نہیں آیا، اس

حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ خود نمازوں کا اہتمام فرماتے تھے، بلکہ اپنے گھر والوں اور اپنے قریبی اعزہ کو بھی نماز کے لئے اُٹھانے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے قران کریم نے یہ لازم قرار دیا ہے کہ انسان کے لئے صرف یہ کافی نہیں کہ خود نماز کا پابند ہو جائے، بلکہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا پابند بنانے کی فکر اور کوشش کرے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا

یعنی اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی نماز کی پابندی کرو۔ لہٰذا انسان کی ذمہ داری صرف خود اپنی نماز پڑھ لینے سے پوری نہیں ہو جاتی، بلکہ اس کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ اس کے گھر میں جو لوگ ہیں، مثلاً بیوی، بچے، اولاد ہیں، ان کو نمازی بنانے کی فکر اور کوشش کرے، اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر وہ نماز کے وقت سو رہے ہوں تو ان کو اُٹھائے، تا کہ وہ بھی وقت پر نماز ادا کر لیں۔

یہ عمل ساری عمر کرنا ہے

یہ عمل ساری عمر کرنا ہے، چاہے وہ بچے آپ کی بات مان رہے ہیں، یا نہیں مان رہے ہیں، وہ بچے اس بات کو قبول کرتے ہیں یا نہیں کرتے، لیکن آپ کو اپنی کوشش ساری عمر جاری رکھنی ہے۔ آج بہت سی جگہوں پر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی خود تو نماز کا پابند ہے، صف اول کا پابند ہے، مسجد میں جانے والا ہے، لیکن اولاد کو یا تو بالکل ہی نماز کی فکر نہیں ہے، یا مسجد میں آ کر جماعت سے نماز پڑھنے کی فکر نہیں ہے،

ہوتا یہ ہے کہ کچھ دن تک تو شروع میں بچوں کو سمجھایا، بجھایا، بعض اوقات تنبیہ بھی کی، جب انہوں نے بات نہیں مانی تو یہ سوچا کہ یہ مانتے تو ہیں نہیں، اب کیا بار بار ان کو اُٹھائیں، اور سمجھائیں، یہ سوچ کر آدمی ہمت ہار جاتا ہے، یاد رکھئے! یہ ہمت ہارنا درست نہیں، بلکہ ساری عمر یہ عمل کرتے رہنا ہے۔

فرض نمازوں کی تاکید

شرعاً نماز کی اتنا تاکید فرمائی گئی ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کا حکم دو، اوران کو نماز کی عادت ڈالو، اور جب بچہ دس سال کا ہو جائے، اور پھر نماز نہ پڑھے، تو ان کو نماز نہ پڑھنے پر مارو، لیکن کوشش کو چھوڑو نہیں، یہ فکر کرنا ہر انسان کے ذمہ ضروری ہے۔ یہ حکم تو فرض نمازوں کے بارے میں ہے۔

نفل کے لئے اہتمام کی ضرورت نہیں

البتہ جو نمازیں نفل ہیں، جیسے تہجد کی نماز، اشراق کی نماز، چاشت کی نماز، یا اوابین کی نماز ہے، ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان نمازوں کے لئے باقاعدہ اہتمام کر کے کسی کو اُٹھانے کا حکم نہیں دیا گیا، مثلاً یہ حکم نہیں ہے کہ اگر آپ تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو اپنے پڑوسیوں کو جا کر اُٹھائیں کہ تم بھی اُٹھو، اور نماز پڑھو، اس لئے کہ تہجد کی نماز فرض و واجب نہیں ہے، لیکن جو لوگ آپ کے زیر تربیت ہیں، مثلاً آپ کے شاگرد ہیں، آپ کی اولاد ہے، آپ کے مریدین ہیں، ان کی تربیت کے لئے ان کو اٹھانا چاہیے، جیسا کہ اس حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جا کر اٹھایا، جب کہ آپ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ دوسرے صحابہ کرام کو تہجد کے لئے اٹھایا کرتے تھے، لیکن حضرت علی اور حضرت فاطمہ اپنی اولاد تھی، اور اپنے زیر تربیت تھے، اس لئے آپ با قاعدہ اہتمام کر کے ان کے گھر تشریف لے گئے، اور ان کا دروازہ کھٹکھٹایا، اور ان کو اُٹھایا۔

حضور کو یہ جواب پسند نہیں آیا

لیکن اٹھنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جواب دیا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ یا رسول اللہ! ہم کیا کریں، یہ ہماری نیند وغیرہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، اُٹھا دیتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے تو ہم سوتے رہ جاتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کو پسند نہیں فرمایا، اس لئے کہ بات تو اگرچہ صحیح تھی، اس لئے کہ ساری کائنات باری تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہے، لیکن اس کے اسباب مہیا کرنا اللہ تعالیٰ نے انسان کے اختیار میں دیے ہیں، وہ اسباب یہ ہیں کہ جب رات کو انسان سوئے تو اس بات کا اہتمام کر کے سوئے کہ صحیح وقت پر میری آنکھ کھل جائے، کسی دوسرے کو بیدار کرنے کے لئے مقرر کر دے، آج کل تو اور بہت سے طریقے آ گئے ہیں، ٹیلیفون موجود ہیں، الارم لگا دیں، لہٰذا اگرچہ اُٹھنا خود اپنے اختیار میں نہیں، لیکن اٹھنے کے اسباب مہیا کرنا یہ اختیار میں ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جواب کو پسند نہیں فرمایا۔

اپنی غلطی کی فوراً تاویل کرنا ادب کے خلاف ہے

اور دو وجہ سے آپ نے اس جواب کو پسند نہیں فرمایا، پہلی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی بڑا اپنے چھوٹے کو کوئی ہدایت دے، یا کوئی تعلیم دے کہ یہ کام کرو، یا کسی غلطی پر متنبہ کرے کہ یہ عمل تمہارا درست نہیں، اس موقع پر چھوٹے کا کام یہ ہے کہ بڑے کی ہدایت کو غور سے سنے، اور اس کو سمجھنے کی کوشش کرے کہ میری کیا غلطی ہے، اور اس غلطی کو قبول کرے۔ اپنی غلطی کی تاویل پیش کرنا اچھی عادت نہیں، اور ادب کے خلاف ہے، چھوٹے کو ایسا نہیں کرنا چاہیے، اگر بالفرض کوئی عذر ہو بھی تو اس وقت فوراً برجستہ وہ عذر پیش نہ کرے، بلکہ اس وقت بڑے کی بات سن لے، اور اس بات کو قبولیت کے انداز میں سنے، اور بعد میں کسی وقت عذر پیش کرے کہ فلاں عذر کی وجہ سے یہ کام کرلیا تھا۔ اب اگر بڑے نے آپ کو تنبیہ کی کہ فلاں کام تم نے غلط کیا، اور تم نے پلٹ کر فوراً جواب دیدیا کہ میں نے تو یہ کام نہیں کیا، یہ ادب کے خلاف ہے۔

پہلے غلطی کا اعتراف کرے

اور اس طرز عمل میں بڑی حکمت ہے، یعنی جب کوئی بڑا کسی چھوٹے کو کسی غلطی پر متنبہ کرے تو پہلا ردعمل ایک مسلمان کا یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ واقعتاً مجھ سے غلطی ہوئی ہو، اور یہ شخص بات صحیح کہہ رہا ہو، نہ یہ کہ پہلے مرحلے پر اپنا دفاع کرنے کی کوشش کرے۔

یہ شخص ٹھیک کہہ رہا ہوگا

یہ بڑی کام کی بات عرض کر رہا ہوں، میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی کوئی شخص کسی

دوسرے کو کسی غلطی پر متنبہ کرے تو پہلے مرحلے میں اس کا دفاع کرنے کے بجائے ایک لمحہ کے لئے یہ سوچو کہ یہ شخص ٹھیک کہہ رہا ہوگا، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ میرے اس عمل میں کوئی ایسی غلطی ہو، جو میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ڈال دی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اصلاح کے لئے اس کے دل میں یہ بات ڈالی ہو، لہٰذا پہلے مرحلے میں دفاع کی کوشش کرنے کے بجائے، اور اس غلطی کی تاویل کرنے کے بجائے، اس کے خلاف دلیل پیش کرنے کے بجائے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو، اس کے نتیجے میں بسا اوقات ایسا ہوگا کہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ پہلا میرا دھیان اس غلطی کی طرف نہیں گیا تھا، اس کے کہنے سے میرا دھیان اس طرف چلا گیا، اور میری غلطی کی اصلاح ہوگئی۔

فلاں عذر کی وجہ سے یہ کام کیا تھا

اور اگر بالفرض سوچنے کے باوجود تمہاری سمجھ میں یہ آیا کہ ان کو غلط فہمی ہوئی ہے، میری غلطی نہیں تھی، تو اسی وقت فوراً تردید نہ کرو، فوراً اپنا دفاع شروع نہ کرو، بلکہ اس وقت اس شخص کی بات سن لو، اور جب معاملہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس وقت چاہو تو بتادو کہ حضرت! فلاں عذر تھا، جس کی وجہ سے یہ کام کیا تھا، اب پتہ نہیں کہ وہ عذر صحیح تھا، یا غلط تھا، آپ بتادیجئے، اگر وہ عذر صحیح تھا تو میں مطمئن ہو جاؤں، اور اگر وہ عذر صحیح نہیں تھا تو مجھے بتادیجئے کہ میری کیا غلطی ہے؟

مجھ سے غلطی نہیں ہو سکتی! یہ خطرناک بات ہے

لہٰذا یہ طرز عمل کہ جہاں کسی شخص نے کوئی اصلاح کی بات کی، یا آپ کی کسی

غلطی کی طرف توجہ دلائی تو فوراً اس کا جواب دینا، فوراً اس کی تاویل پیش کرنا، فوراً اس کا عذر بیان کرنا، یہ بڑی مہلک بیماری ہے، اس لئے کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کے دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہوسکتی، اور جب آدمی کے دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی کہ میں غلطی پر نہیں ہوسکتا تو اس آدمی کی اصلاح کیسے ہوسکتی ہے۔ جو بیمار اپنے آپ کو بیمار ہی نہ سمجھے، بلکہ یہ سمجھے کہ میں تو تندرست ہوں، ایسا بیمار اپنا علاج کیسے کرے گا؟ ڈاکٹر کے پاس تو وہ بیمار جائے گا جس کو اپنی بیماری کا احساس ہوگا، جس کو اپنی بیماری کا احساس ہی نہیں، وہ کہاں ڈاکٹر کے پاس جائے گا، اور اگر کوئی ڈاکٹر اس کو یہ بتائے کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے، تم اس کی فکر اور اصلاح کرو، وہ شخص جواب میں کہے گا کہ میرے اندر یہ خرابی نہیں ہے، تو اس کی بیماری کا علاج کیسے ہوگا؟ جب ڈاکٹر تشخیص کر کے یہ بتا رہا ہے کہ تمہارے اندر یہ بیماری ہے، اور تم جواب میں کہو کہ نہیں، تم غلط سمجھے ہو، میرے اندر یہ بیماری نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بیماری بڑھتی ہی چلی جائے گی، کیونکہ اس بیماری کا علاج آپ نہیں کرا رہے ہیں۔

اپنی رائے کو ہمیشہ متہم سمجھو

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بدری صحابہ کرام میں ہیں جو غزوۂ بدر میں شہید ہوئے، انہوں نے ایک جملہ ارشاد فرمایا، جو بڑا عمدہ جملہ ہے، فرمایا:

اِتَّهِمُوْا رَأيَكُمْ

تم اپنی رائے کو ہمیشہ متہم سمجھو، یعنی تمہارے دل میں اپنے بارے میں ایک

رائے پیدا ہوئی ہے کہ میں ایسا ہوں، یا میں اچھا ہوں، یا میں برا ہوں، میرے اندر فلاں خوبی ہے، اپنی اس رائے کو ہمیشہ متہم سمجھو، یعنی یہ سمجھو کہ شاید میری یہ رائے غلط ہو، اور اگر کوئی دوسرا آدمی آپ کو اس طرف متوجہ کرے تو اس کو غور سے سنو، اور اس کو اپنے دل میں بٹھانے کی کوشش کرو۔

پہلا ردعمل یہ نہیں ہونا چاہیے

خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص تمہیں تمہاری کسی غلطی کی طرف متوجہ کرے، یا تمہیں کوئی ہدایت دے تو تمہارا پہلا ردعمل یہ ہونا چاہیے کہ تم سمجھو کہ یہ شخص صحیح کہہ رہا ہوگا، لہٰذا میں پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھوں، پہلا ردعمل تمہارا یہ نہیں ہونا چاہیے کہ یہ شخص میرے اندر عیب لگا رہا ہے، لہٰذا مجھے اپنا دفاع کرنا ہے، اور مجھے اس کا جواب دینا ہے، مجھے اس کی تاویل پیش کرنی ہے، اور مجھے اس کے خلاف دلیل لانی ہے۔ پہلا ردعمل یہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ پہلا ردعمل آپ کی طرف سے یہ ہونا چاہیے کہ اس شخص نے جو بات کہی ہے، مجھے اس کے بارے میں سوچنا چاہیے۔

اگرچہ وہ بات کہنے والا تمہارا مخالف ہو

یہ ردعمل اس وقت تو ہونا ہی چاہیے جب بات کہنے والا آپ کا مہربان ہو، شفیق ہو، اور آپ کا خیر خواہ ہو۔ بلکہ اگر بات کہنے والا خیر خواہ بھی نہ ہو، بلکہ وہ بات تمہارے دشمن کی طرف سے آرہی ہو، تمہارے مخالف کی طرف سے آرہی ہو، یا ایسے شخص کی طرف سے آرہی ہو جو بظاہر تمہارا معاند ہو، تب بھی تمہارا پہلا طرز عمل یہ ہونا چاہیے کہ اس کی بات کو سنو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس معاند اور دشمن کو میری ایسی

بات نظر آ گئی ہو، جو مجھے نظر نہ آئی ہو۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مخالف

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، جو قطب الارشاد اور سید الطائفہ، اور ہمارے سارے سلسلہ کے عظیم چشم و چراغ تھے، ان کا ایک واقعہ حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا، یہ حضرت مولانا یحییٰ صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد تھے، اور انہوں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طویل صحبت اٹھائی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب مقام بخشا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مخالف بریلوی مسلک کے تھے، یہ بریلوی حضرات ہمارے حضرات علماء پر کفر کے فتوے لگاتے رہتے تھے، چنانچہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر، حضرت شیخ الہند پر، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ فتویٰ لگا دیا تھا کہ یہ سب کافر ہیں۔ العیاذ باللہ العلی العظیم۔ اور ان حضرات علماء کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرتے تھے کہ یہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی توہین کرنے والے ہیں، اور اللہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ ایک صاحب جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مخالف تھے، اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دین کی صحیح تشریح کے لئے جو کتابیں تصنیف فرمائی تھیں، یہ صاحب ان کی تردید میں کتابیں لکھتے رہتے تھے، اور ان کتابوں میں گالیاں، اور الزام تراشی، اور بددعائیں، اور کفر کے فتوے بھرے ہوتے تھے، اور ہر چند دن بعد ایک رسالہ شائع کرتے، اور اس میں حضرت گنگوہی

کو برا بھلا کہتے۔

یہ فضول رسالہ کیوں سناؤں

آخر عمر میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی چلی گئی تھی، اس لئے خود کتابیں نہیں پڑھ سکتے تھے، اس لئے جب ڈاک میں خطوط آتے، یا کوئی رسالہ آتا تو اپنے رفقاء سے پڑھواتے تھے، چنانچہ یہ حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس خدمت پر مامور تھے کہ حضرت کے پاس جو ڈاک آئے، یا رسالے آئیں، وہ پڑھ کر حضرت کو سنائیں۔ جب ان بریلوی صاحب کی طرف سے رسالہ آیا، تو ایک مرتبہ تو وہ پڑھ کر حضرت والا کو سنا دیا، اس کے بعد جب کوئی رسالہ آتا، حضرت مولانا یحییٰ صاحب یہ سوچتے کہ یہ فضول رسالہ ہے، اور فضول بکواس بھری ہوئی ہے، حضرت کو سنانے سے کیا فائدہ؟ چنانچہ انہوں نے وہ رسالہ نہیں سنایا۔

شاید اس میں میری واقعی غلطی کی نشاندہی کر دی ہو

جب کافی دن گزر گئے تو ایک دن حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ: کیا ہمارے دوست نے ہمیں یاد کرنا چھوڑ دیا، بہت دن سے نہ کوئی رسالہ آیا، نہ کوئی خط آیا، جواب میں حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس نے یاد کرنا تو نہیں چھوڑا، اس کا رسالہ تو اب بھی آتا ہے، لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ وہ رسالہ فضول باتوں سے اور گالیوں سے بھرا ہوتا ہے، اس لئے آپ کو سنا کر خواہ مخواہ آپ کا وقت کیوں خراب کروں، اور آپ کا ذہن کیوں خراب کروں، اس لئے میں نہیں سناتا، حضرت

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: نہیں بھائی، ایسا مت کیا کرو، ان کا جو بھی رسالہ آئے، یا جو بھی خط آئے، وہ مجھے سناؤ، اور میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میں اس کو اس نیت سے سنتا ہوں کہ شاید انہوں نے اس مین واقعۃً میری کسی غلطی کی نشاندہی کردی ہو، ہوسکتا ہے کہ ان کے رسالے سے اور ان کے خط سے میری غلطی کا مجھے علم ہوجائے، تو اس کی اصلاح کرلوں، میں تو بخدا اس نیت سے سنتا ہوں۔

دور کی گالیاں نہیں لگا کرتیں

اور جہاں تک گالیوں کا تعلق ہے تو بھائی، دور کی گالیاں نہیں لگا کرتی ہیں۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ ایک مخالف فرقے کا آدمی جو مسلکاً اور عقیدۃً اپنا ہم مسلک نہیں، اور جو گالیوں سے خطاب کرتا ہے، اور اس کی ایک ایک سطر سے عناد ٹپک رہا ہے، لیکن اس کی بات بھی جب سن رہے ہیں تو پہلا ردعمل یہ نہیں کہ میں اس کا جواب دوں، اور اس کی گالیوں پر ناراضگی کا اظہار کروں، بلکہ پہلا ردعمل یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر میری ایسی غلطی منکشف فرمادی ہو، جو میری سمجھ میں نہ آئی ہو، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو میری اصلاح کا ذریعہ بنادیا ہو، اس غرض سے میں یہ رسالہ سنتا ہوں۔

کسی کے ٹوکنے پر پہلا طرزِ عمل یہ ہو

یہ ہے صحیح طریقہ، اور یہ ہے صحیح طرزِ عمل کہ اگر ایک دشمن بھی تمہیں تمہاری غلطی پر ٹوکے تو پہلا طرزِ عمل یہ اختیار کرو کہ شاید واقعۃً مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو، تو اس کے ذریعہ میں اپنی اصلاح کرلوں۔ اور اگر کوئی خیر خواہ کسی غلطی پر ٹوکے تو پھر تو

بطریق اولی یہ طرزِ عمل اختیار کریں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر وقت لرزاں ترساں رہتے تھے، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دانت سے اپنا ہونٹ کاٹا تو فوراً حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دماغ اس طرف گیا کہ کہیں مجھ سے تو کوئی غلطی سرزد نہیں ہوگئی۔ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے کچھ کہا بھی نہیں، لیکن صرف اتنی بات کہ آپ نے اپنے دانت سے ہونٹ کاٹا تو فوراً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے تو کوئی غلطی نہیں ہوگئی۔

میرے بارے میں شاید کوئی آیت نازل ہوئی ہے

یہی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مسجد حرام میں داخل ہوا، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اور جب مجھے آتے ہوئے دیکھا تو آپ نے بے ساختہ ایک جملہ ارشاد فرمایا:

هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ

رب کعبہ کی قسم: وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں، یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا، میرے دل میں فوراً یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید میرے بارے میں قرآن کریم میں کوئی آیت نازل ہوگئی ہے، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا

گیا ہے کہ میں بڑا خراب آدمی ہوں، یہ جملہ سن کر میں لرز گیا کہ معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے، اور میرے بارے میں قرآن کریم نے کیا فیصلہ کر دیا ہے، چنانچہ میں ڈرتا ہوا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ کس کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ وہ بڑے خسارے میں ہیں؟

مالدار لوگ خسارے میں ہیں

آپ نے دیکھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پہلا ردعمل یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ جو فرما رہے ہیں کہ وہ لوگ خسارے میں ہیں، وہ میں ہوں گا، لہٰذا پریشان، لرزاں، ترساں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اس وقت وحی کے نازل ہونے کا سلسلہ جاری تھا، اور اس وحی کے اندر یہ بتایا جا رہا تھا کہ وہ لوگ خسارے میں ہیں جو بہت مالدار ہیں، اور مال کی وجہ سے گھمنڈ میں مبتلا ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے اس مال میں جو حقوق واجب فرمائے ہیں، وہ ادا نہیں کرتے، ایسے لوگ بڑے خسارے میں ہیں۔

مگر جو مٹھیاں بھر کر لوگوں کو دے

پھر فرمایا: اِلَّا مَنْ فَعَلَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا

یعنی سوائے اس مالدار کے جو اس طرح دے، اور اس طرح دے، اور اس طرح دے۔ یعنی مٹھیاں بھر بھر کر لوگوں کو مال دے، اس کے علاوہ سب مالدار خسارے میں ہیں۔ بہرحال! پہلا ردعمل جو حضرت ابوذر غفاری رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں پیدا ہوا، وہ یہ تھا کہ شاید یہ جملہ میرے بارے میں کہا جا رہا ہے، حالانکہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم خسارے میں ہو، لیکن اس کے باوجود دل میں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ میرے بارے میں تو نہیں فرمایا۔

شاید مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے انسان، جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتے تو حضرت عمر ہوتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں جارہا تھا، آپ نے مجھے بلوایا کہ عمر کو بلا لاؤ۔ فرماتے ہیں کہ سارے راستے میرے دماغ میں یہ خیال آتا رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر کچھ نازل کردیا ہو کہ یہ عمر ٹھیک آدمی نہیں ہے۔ سارے راستے یہ سوچتے ہوئے جارہے ہیں۔

منافقین کی فہرست میں میرا نام تو نہیں ہے

بہرحال! یہ حضرات ہر وقت اپنے آپ کا جائزہ لے رہے ہیں، ہر وقت اپنی غلطیوں کی طرف نگاہ ہے، اور اس فکر میں ہیں کہ ان کی غلطیوں کی اصلاح ہو، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کانوں سے یہ بات سن چکے ہیں کہ عمر جنت میں جائے گا، اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر خوشامد کرتے ہیں کہ اے حذیفہ! خدا کے لئے یہ بتادو کہ منافقین کی جو فہرست تمہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی، اس فہرست میں کہیں میرا نام تو

نہیں ہے؟ تو جس شخص کے دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہو کہ پتہ نہیں مجھ سے کس وقت کیا غلطی سرزد ہو جائے جو مجھے راندۂ درگاہ بنادے، ایسے شخص کو جب کوئی دوسرا شخص کسی غلطی پر متنبہ کرے تو وہ کیسے اپنی غلطی کی تاویل کرے گا؟ بلکہ اس شخص کا پہلا ردعمل تو یہ ہوگا کہ شاید یہ شخص صحیح کہہ رہا ہے۔

اپنی غلطی کی برجستہ تاویل مت کرو

لہٰذا اپنی غلطی کی برجستہ اور فوراً تاویل کرنا کہ جیسے ہی کسی نے کسی غلطی کی نشاندہی کی، ادھر سے فوراً تاویل شروع کردی، یہ کوئی صحیح طرز عمل نہیں، بلکہ پہلے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو، اور ٹھنڈے دل سے اچھی طرح جائزہ لے لو کہ کیا کہا جارہا ہے، اور جائزہ لینے کے بعد تم کو سمجھ میں آیا کہ ان کو غلط فہمی ہوئی ہے، میری غلطی نہیں تھی، تو بھی اس وقت فوراً تردید نہ کرو، فوراً اپنا دفاع شروع نہ کرو، بلکہ اس وقت اس شخص کی بات سن لو، اور جب معاملہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس وقت چاہو تو بتادو کہ حضرت! فلاں عذر تھا، جس کی وجہ سے یہ کام کیا تھا، اب پتہ نہیں کہ وہ عذر صحیح تھا، یا غلط تھا، آپ بتادیجئے۔ یہ طرز عمل اختیار کرنا چاہیے، فوراً اپنی غلطی کی تردید شروع نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین